صائمہ اکرم چوہدری

سیاہ حاشیہ

سیاہ حاشیہ پار مت کرو۔ "پچھتاؤ گی۔ ایک نادیدہ آواز روکتی رہی لیکن وہ لڑکی نہ رکی۔ سیاہ حاشیہ عبور کرگئی اور تب اسے احساس ہوا کہ اپنے لیے جہنم خرید چکی ہے۔

✡ ✡ ✡

عدینہ کاٹھ کباڑ میں اپنی پرانی ڈائریاں تلاش کررہی ہے تو اسے ایک کتبہ ملتا ہے۔ جس پر اس کی والدہ صالحہ رفیق کی تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات درج ہوتی ہے۔ وہ بری طرح الجھ جاتی ہے۔ اس کی والدہ تو زندہ ہیں پھر یہ کتبہ کس نے اور کیوں بنوایا ہے۔ تب ہی اس کی والدہ صالحہ آجاتی ہیں اور کہتی ہیں کہ ڈائریاں تو انہوں نے ردی والے کو دے دی ہیں۔
عدینہ کو بہت دکھ ہوتا ہے پھر اسے کتبہ یاد آتا ہے تو وہ سوچتی ہے کہ عبداللہ سے اس کے متعلق پوچھے گی۔
عبداللہ پابند صوم وصلوۃ وہ مسجد کا موذن بھی ہے اور اس نے عربی میں ایم فل کررکھا ہے عدینہ کی اس کے ساتھ منگنی ہوچکی ہے۔ عدینہ ہاسٹل میں رہتی ہے اور میڈیکل کی تعلیم حاصل کررہی ہے۔

ناولٹ

عدینہ کے والد مولوی رفیق کا انتقال ہو چکا ہے۔ وہ اپنی ماں سے زیادہ دادی سے قریب ہے مونا اس کی کزن ہے۔ وہ حویلیاں شہر سے قرآن حفظ کرنے ان کے گھر آئی ہے۔

عدینہ عبداللہ سے بہت محبت کرتی ہے۔ عبداللہ بھی اسے چاہتا ہے لیکن شرعی اصولوں کے تحت زندگی گزارنے والی صالحہ آپا نے منگنی ہونے کے باوجود انہیں آپس میں بات چیت کی اجازت نہیں دی۔

شانزے ماڈل بننا چاہتی ہے۔ ریمپ پر واک کرتے ہوئے اس کا پاؤں مڑ جاتا ہے اور وہ گر جاتی ہے۔

ڈاکٹر بینش نیلی کوٹھی میں اپنے بیٹے ارحم کے ساتھ رہتی ہیں۔ ان کے شوہر کرنل ڈاکٹر حماد کا انتقال ہو چکا ہے۔

نیلی کوٹھی کے دوسرے حصے میں ان کے تایا ڈاکٹر جلال اپنی بیوی اور پوتی اوریدا کے ساتھ رہتے ہیں۔ ان کی دو شادی شدہ بیٹیاں ہیں اور اکلوتا بیٹا تیمور لندن میں مقیم ہے۔ بیوی کی وفات کے بعد تیمور نے اوریدا کو پاکستان اپنے باپ کے پاس بھجوا دیا ہے۔ بیٹا ماہیران کے پاس لندن میں ہے۔

اوریدا اور ارحم کی بہت دوستی ہے جو ڈاکٹر بینش کو بالکل پسند نہیں۔ ڈاکٹر بینش تیمور کے نام سے بھی نفرت کرتی ہیں۔

عبداللہ عدینہ کو اپنا سیل نمبر بھجواتا ہے۔ صالحہ آپا دیکھ لیتی ہیں۔ وہ شدید غصہ ہوتی ہیں اور نمبر پھاڑ کر پھینک دیتی ہیں۔

سرمد اپنے دوست کے پروڈکشن ہاؤس میں جاتا ہے تو وہاں شانزے کو دیکھتا ہے۔ شانزے اس کی منتیں کر رہی ہے کہ وہ ایک چانس اسے دے کر دیکھے۔

شانزے سخت مایوسی کا شکار ہے۔ رباب اس کی روم میٹ اسے تسلی دیتی ہے تو وہ بتاتی ہے کہ اس کا دنیا میں کوئی نہیں ہے صرف ایک پھوپھی ہیں جن کے گھر میں اسے کوئی پسند نہیں کرتا۔ اس کی ماں اسے پھینک کر چلی گئی تھی اور رباب کو

کسی مذہبی جنونی نے قتل کر دیا۔ شانزے کا خاندان مسلمان ہے لیکن وہ کسی مذہب کو نہیں مانتی۔ ہاسٹل میں رہنے کے لیے اس نے کالج میں داخلہ لے رکھا ہے۔ وہ شوبز میں اپنا نام بنانا چاہتی ہے۔

آپا صالحہ نے عدینہ کی عبداللہ سے منگنی توڑ دی ہے۔ عبداللہ عدینہ سے ایک بار بات کرنا چاہتا ہے۔ عدینہ چھت پر جاتی ہے تو عبداللہ وہاں آجاتا ہے۔ آپا دیکھ لیتی ہیں۔ وہ عدینہ کو برا بھلا کہتی ہیں اور اللہ کے عذاب سے ڈراتی ہیں۔

اوریدا ارصم کے ساتھ پیپر دینے جاتی ہے۔ ارصم باہر اس کا انتظار کرتا ہے۔ وہ اوریدا کو واپس لے کر آتا ہے تو ڈاکٹر بینش اسے بہت ڈانٹتی ہیں کیونکہ وہ ان کی گاڑی لے کر جاتا ہے۔ اوریدا اپنے باپ تیمور کو یہ بات بتاتی ہے تو وہ اس کو نئی گاڑی خرید کر دے دیتے ہیں' آغاجی کو یہ بات بری لگتی ہے۔

ٹی وی پر ایک مذہبی پروگرام دیکھتے ہوئے صالحہ آپا شدید جذباتی ہو کر رونے لگتی ہیں۔ عدینہ کو اسٹور روم کی صفائی کے دوران ایک تصویر ملتی ہے جو کسی مرد کی ہے۔

ارصم اوریدا کو گاڑی چلانا سکھاتا ہے۔ اوریدا کے امتحان میں کم نمبر آتے ہیں تو وہ پریشان ہو جاتی ہے۔

مونا عدینہ کو بتاتی ہے کہ آپا نے اس کی منگنی اس لیے توڑی کہ وہ چاہتی تھیں کہ عبداللہ عدینہ سے فوراً" شادی کرلے۔ عبداللہ نے فوراً" شادی سے انکار کر دیا تھا۔

عبداللہ تبلیغی دورے پر جاتا ہے تو اس کا جہاز کریش ہو جاتا ہے۔ اور اس کے مرنے کی خبر آجاتی ہے۔

تیسری قسط

عدینہ کو پورے چار گھنٹے بعد ہوش آیا تھا... اگلے تین دن بھی اس نے نشہ آور ادویات کے زیر اثر گزارے تھے... سوتے جاگتے میں بھی بے بے کا فقرہ اسے اپنے وجود کو کاٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اس ایک فقرے میں صدیوں کا کرب اور سمندروں کی گہرائی سے بھی زیادہ اذیت تھی۔ تکلیف کا ایک احساس تھا جو کسی تند چھری کی طرح اس کا گلا کاٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

"عبداللہ کا جہاز گر گیا..." عدینہ کو لگا کہ ایفل ٹاور یا برج خلیفہ اس کے اوپر آن گرا ہوا۔

"عبداللہ مر گیا..." عدینہ کو لگا کسی نے اس کے جسم کو کانٹوں پر گھسیٹا ہو۔ ہر طرف اذیت ہی اذیت تھی۔

عدینہ کے لیے زندگی کا مفہوم اسی شام بدل گیا تھا۔ وہ گھنٹوں خلا میں تکتی رہتی۔ اس نے بڑے آرام سے خاموشی کو اوڑھ لیا۔ مونا اس کے سامنے کھانا لا کر رکھ دیتی تو وہ چند لقمے زبردستی کھا لیتی اور کبھی زیادہ دیر خالی پیٹ رہنے سے اسے ابکائی آجاتی۔ دنوں میں اس کی صحت خراب ہو گئی تھی۔ اس کے چہرے کی تازگی میں پیلاہٹ کا عنصر غالب آگیا تھا۔ بے بے اور آپا صالحہ اسے دیکھ دیکھ کر کڑھتی تھیں۔

عبداللہ کی ڈیڈ باڈی نہیں ملی' بلکہ اس بدقسمت جہاز کے سارے ہی مسافر لاپتا ہو گئے تھے۔ ان بے شمار لوگوں کے ساتھ بہت سے لوگ جیتے جی مر گئے تھے۔ کسی اپنے کی میت کو دیکھ کر اسے اپنے ہاتھوں سے قبر میں اتار کر انسان جب وقت گزارتا ہے تو کسی نہ کسی طرح انسان کا دل سنبھل ہی جاتا ہے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اسے صبر آ ہی جاتا ہے۔

لیکن یہ کیسی موت تھی' جس میں اتنے سارے لوگ اچانک ہی زندگی کے مدار سے نکل گئے اور ان کے پیارے دنیا کے نقشوں میں ان جگہوں کو دیکھ دیکھ کر روتے رہے کہ شاید کسی اپنے کے جسم کا کوئی حصہ یہیں کہیں گرا ہو گا۔

"اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔" اس دن وہ صحن میں لگے جامن کے درخت کے نیچے بیٹھی تھی اور بے مقصد ایک بڑے سے تنکے کے ساتھ زمین پر

بے معنی لکیریں کھینچ رہی تھی، جب آپا صالحہ اس کے پاس آن بیٹھیں۔ انہوں نے ہاتھ میں تسبیح پکڑ رکھی تھی جس کے دانے بالکل ساکت تھے۔ وہ شاید اس پر کچھ پڑھنا بھول گئی تھیں۔

عدینہ نے چونک کر آپا صالحہ کا چہرہ دیکھا' ان کے چہرے پر ایک دم ہی جھریوں کا ایک جہان آباد ہو گیا تھا۔ وہ پتا نہیں کیوں اچانک ہی بوڑھی لگنے لگی تھیں۔ اس وقت ان کی آنکھوں میں ایسی نرمی تھی جو عدینہ نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ وہ ہاتھ سے پکڑے تنکے سے زمین پر کچھ لکھنے لگی۔

"انسان بہت سے معاملات میں بے بس ہے۔ کچھ نہیں کر سکتا۔ اللہ کی مصلحت وہی جانتا ہے۔" وہ آہستگی سے بڑبڑائیں۔ عدینہ پھر بھی خاموش رہی۔

آپا صالحہ نے غور سے دیکھا وہ زمین پر تنکے کے ساتھ عبداللہ کا نام لکھ رہی تھی۔

"تمہیں پتا ہے اللہ کو دو نام بہت پسند ہیں' عبداللہ اور عبدالرحمن..." آپا صالحہ کی بات پر اس نے ناسمجھ انداز سے ان کی طرف دیکھا۔ وہ واقعی ان کی بات کا مطلب نہیں سمجھی تھی۔

"یہ نام تم زمین پر مت لکھو۔ بے حرمتی ہوتی ہے۔" آپا صالحہ کے سنجیدہ انداز پر اس نے بوکھلا کر ہاتھ میں پکڑا تنکا نیچے پھینک دیا۔ وہ اب خوفزدہ نظروں سے آپا کو دیکھ رہی تھی وہ ان سے پوچھنا چاہتی تھی۔

"جو نام دل پر لکھا ہو' اس کا میں کیا کروں...؟"

لیکن وہ یہ بات مر کر بھی اپنی ماں سے نہیں پوچھ سکتی تھی۔

"عبداللہ کے ماموں اور چچا نے بہت بھاگ دوڑ کی' لیکن کچھ پتا نہیں چلا۔" آپا صالحہ پتا نہیں کیوں آج اس سے بے معنی باتیں کر رہی تھیں۔

"اس کی والدہ کی طبیعت بہت خراب ہے' اس کے بڑے ماموں انہیں پنڈی لے گئے ہیں۔" عدینہ سمجھ سکتی تھی کہ اس ماں کی کیا حالت ہو سکتی ہے' جس کا جوان بیٹا بھری جوانی میں اس طرح اچانک گزر جائے۔

"خیر مغرب کی اذان ہو رہی ہے' اٹھو اور وضو کرو' اللہ سے دعا کرو' وہی ذات تمہیں صبر دے سکتی ہے۔"

آپا صالحہ کا لہجہ اب بھی سنجیدہ تھا۔ عدینہ نے کان لگا کر اذان کے الفاظ سنے' شاید عبداللہ کے کسی شاگرد نے اس کی جگہ سنبھال لی تھی۔ فضا میں اذان کی آواز پہلی دفعہ عدینہ کے کانوں کو اجنبی سی لگی۔ اس نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ کبھی اس مدرسے کے لاؤڈ اسپیکر سے عبداللہ کے علاوہ بھی کسی کی آواز گونجے گی۔ اس کا دل بھر آیا۔ وہ وضو کرتے ہوئے بے آواز رو رہی تھی۔

اسے پتا ہی نہیں چلا مونا کب اس کے پیچھے آن کھڑی ہوئی۔

"وضو کے دوران روتے نہیں ہیں..." مونا نے ہمدردی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو عدینہ بے اختیار اٹھ کر اس کے گلے لگ گئی۔ وہ دونوں ہی اب باقاعدہ ہچکیوں سے رو رہی تھیں۔

وہ نماز عدینہ کی زندگی کی سب سے مشکل نماز تھی' وہ التحیات پڑھتے پڑھتے بھول جاتی اور کبھی ایک دفعہ سجدہ کر کے سوچنے لگتی کہ یہ پہلا تھا یا دوسرا' اور کبھی سلام پھیرنے کے بجائے پھر اٹھ کھڑی ہو جاتی۔ سورت اخلاص' سورت کوثر جیسی مختصر سورتیں وہ بار بار بھول رہی تھی۔ تنگ آ کر اس نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے۔ لفظ سارے گونگے ہو گئے تھے' وہ اس خدا کے سامنے اپنی قوت گویائی سے محروم ہو گئی تھی جو دلوں کے حال خوب جانتا تھا۔

"شکر ہے بے بے' میں نے عدینہ کا نکاح نہیں کر دیا تھا۔" وہ جائے نماز لپیٹ کر برآمدے کے تخت پر آن بیٹھی۔ بے بے کے کمرے کی کھلی کھڑکی سے آپا کی سنجیدہ آواز باہر آ رہی تھی۔

"تم نے تو پوری کوشش کی تھی' وہ تو عبداللہ ہی نہیں مانا تھا۔" بے بے نے لاپروا انداز سے یاد دلایا۔

"ہاں یہ تو ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔" صالحہ آپا کی آواز میں جھنجلاہٹ کا عنصر غالب آیا۔ "لیکن اب

سوچتی ہوں کہ ٹھیک ہی نہیں مانا' ورنہ عدینہ پر بیوہ کا ٹھپہ لگ جاتا۔" آپا صالحہ کی خود غرضانہ سوچ پر عدینہ کو باہر بیٹھے غصہ آیا۔

"کاش آپ نکاح کر ہی دیتیں' تاکہ میں کھل کر سوگ تو منا سکتی...." وہ دل ہی دل میں ناراض سے انداز سے سوچ کر رہ گئی۔ اسے نہ جانے کیوں آپا پر آج کل ضرورت سے زیادہ ہی غصہ آنے لگا تھا۔ عبداللہ کی ناگہانی موت نے اس الاؤ کو مزید بھڑکا دیا تھا۔ اسے لگتا تھا کہ وہ آپا کے ساتھ ساتھ اس سے بھی خفا ہو کر گیا تھا اور یہ ہی سوچ اسے بے سکون کرنے کو کافی تھی۔

"مجھے تو عدینہ کی حالت دیکھ دیکھ کر ہول اٹھ رہے ہیں۔" بے بے کے لہجے میں پریشانی ہی پریشانی تھی۔

"ٹھیک ہو جائے گی' میڈیکل کی ٹف تعلیم میں کہاں کچھ یاد رہتا ہے۔" آپا صالحہ نے ان کو تسلی دینے کی کوشش کی۔

"لیکن میری عدینہ ایسی نہیں ہے۔" بے بے اس کی رگ رگ سے واقف تھیں۔ "اس کے ذہن سے اتنی آسانی سے چیزیں نہیں نکلتیں۔" بے بے کا افسردہ انداز باہر بیٹھی عدینہ کو اور زیادہ مضطرب کر گیا۔ وہ سنجیدگی سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ ڈائری اٹھائی اور جو اس کے دل میں آیا ——— وہ لکھتی گئی۔

"اور عبداللہ مر گیا' جس سے میں نے کبھی ٹوٹ کر محبت کی تھی۔ جس کے ہونے سے میری سانس چلا کرتی تھی اور جس کی طرف دیکھ کر مجھے دنیا خوب صورت لگتی تھی۔ ایسا کیوں نہیں ہوتا' ہمیں جن سے محبت ہو' ان کی موت کے ساتھ چاہت کا احساس بھی ختم ہو جائے۔ ہم اپنے پیارے کو قبر کی گہرائیوں میں اتارتے ہوئے محبت کی پوٹلی وہیں کہیں دفن کیوں نہیں کر آتے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے لوگ بظاہر زندگیوں سے چلے جاتے ہیں' لیکن ان کے کہے لفظ' جملے اور باتیں ہمیں جیتے جی مار دیتی ہیں۔ ہم زندہ ہوتے ہیں' بظاہر سانس بھی لیتے ہیں' لیکن اندر ہی اندر کہیں اس قبر میں دفن ہو چکے ہوتے ہیں جس میں ہمارا کوئی پیارا ابدی نیند سو رہا ہوتا ہے۔"

اس نے پورا پیراگراف لکھا اور ڈائری بند کر دی۔ بہت سے رکے ہوئے آنسو ایک دم ہی آنکھوں کی منڈیر پار کر گئے۔ کمرے میں اندر داخل ہوتی مونا نے یہ منظر بڑے دکھ بھرے انداز سے دیکھا۔ وہ اس کے جذبات کو سمجھ سکتی تھی۔

"رونے سے کوئی واپس تھوڑی آجاتا ہے۔" مونا نے قریب آکر اپنے ہاتھوں سے اس کے آنسو پونچھے۔ عدینہ کی آنکھیں شدت گریہ سے سرخ ہو چکی تھیں۔

"مجھے ایک بات کا دکھ ساری زندگی رہے گا مونا۔" وہ بھیگے ہوئے لہجے میں بولی تو اس نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"کاش میں اس دن عبداللہ کی بات سن لیتی۔" عدینہ کا دل ایک دم ہی بھر آیا۔

"میں نے کتنا کہا تھا آپ کو لیکن ...." مونا پھیکے سے انداز سے مسکرائی۔

"مجھے کیا پتا تھا وہ اپنی زندگی کی آخری بات کرنے کے لیے مجھے بلا رہا ہے۔" عدینہ کے چہرے پر دنیا جہاں کے پچھتاوے تحریر ہونے لگے۔

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے عدینہ! عبداللہ بھائی زندہ ہوں۔" مونا کی بات پر عدینہ کے چہرے کا رنگ بدلا۔

"یہ کیسے ممکن ہے۔" وہ بوکھلائی۔

"انسان کبھی کبھی ایسے حادثوں سے بچ بھی تو جاتا ہے۔" اس کی بات پر عدینہ بے بس انداز سے مسکرائی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ مونا نے محض اسے دلاسا دینے کے لیے یہ بات کی ہے۔

"ہم لوگ کتنے نادان ہیں' خوش فہمیوں کی ڈور تھام کر اپنی ڈوبتی ابھرتی نبضوں کو سہارا دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ایسا نہیں ہو گا' لیکن پھر بھی ہم خود کو ویسا سوچنے سے باز نہیں رکھ سکتے۔ جو ہمارا دل چاہتا ہے۔"

عدینہ نے اٹھ کر اپنی ڈائری اٹھائی اور الماری میں رکھ دی۔ آج کے دن کے لیے اتنا ہی کافی تھا۔ اس کا

سر درد کے گہرے احساس سے پھٹ رہا تھا۔ اس نے چھوٹی میز پر رکھے جگ سے گلاس میں پانی ڈالا اور پیناڈول کی دو گولیاں ایک ساتھ نگل لیں۔ وہ آنکھیں بند کر کے اس تلخ دنیا سے دور اس خیالی دنیا میں جانا چاہتی تھی، جہاں وہ اور عبداللہ ہمیشہ ساتھ ہوتے تھے۔

☼ ☼ ☼

"کچھ بتاؤ تو سہی یہ سب ہوا کیسے؟" رباب، شانزے کے ماتھے پر بندھی پٹی دیکھ کر سخت بوکھلائی۔ پٹی پر تازہ تازہ خون نمایاں تھا، وہ ڈاکٹر کے کلینک سے ہوسٹل واپس آچکی تھی۔ اس کی روم میٹ کو اسے دیکھتے ہی شاک لگا۔ دو گھنٹے پہلے وہ پرستان کی کوئی پری لگ رہی تھی جو راستہ بھول کر زمین پر آگئی ہو، لیکن اس وقت وہ بالکل مختلف حلیے میں تھی۔

"اوہ میرے خدایا، یہ تم نے کیا حلیہ بنا رکھا ہے۔" وہ اب گھوم گھوم کر شانزے کا سفید نیٹ کا ڈریس دیکھ رہی تھی۔ جس کا بازو پھٹ چکا تھا اور ماتھے سے بہنے والے خون کے کئی دھبے سفید کپڑوں پر نمایاں تھے۔

شانزے لگتا تھا سخت صدمے کی حالت میں تھی۔ وہ جوتوں سمیت اپنے پلنگ پر لیٹ گئی۔ رباب نے جذبۂ ہمدردی سے مغلوب ہو کر اس کے شوز اتارنے شروع کر دیے، شانزے نے اس چیز پر کوئی احتجاج نہیں کیا۔ ویسے بھی وہ اس وقت اپنے حواسوں میں کہاں تھی بھلا۔ وہ ابھی تک اسی سڑک پر اوندھے منہ گری ہوئی تھی، جہاں سے ایک نیک اور ہمدرد انسان اسے اٹھا کر ڈاکٹر کے پاس لے کر گیا تھا اور وہی اسے ہوسٹل میں بھی ڈراپ کر کے گیا تھا۔

"میں نے کہا تھا ناں، چاروں قل پڑھ کر خود پر پھونک لو، نظر لگ گئی ناں۔" رباب واقعی پریشان تھی شانزے نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ ایسا لگتا تھا کہ ایک پٹی اس کے ماتھے پر اور ایک اس کے ہونٹوں پر کسی نے لگا دی ہو۔ اسی وجہ سے وہ بالکل خاموش تھی۔

"خبردار اگر تم دوبارہ تیار ہو کر اس طرح باہر

نکلیں۔" وہ اب پریشانی سے اس کے پاس آن بیٹھی۔
"میرا تو تمہیں دیکھ دیکھ کر دل خراب ہو رہا ہے۔"
رباب کی بات پر شانزے کا چہرہ متغیر ہوا۔ وہ جھٹکے سے اٹھی اور جلدی سے کمرے میں لگے شیشے کے سامنے جا کر کھڑی ہو گئی' وہ اب خوفزدہ نظروں سے اپنی ناک اور ٹھوڑی پر لگی خراشوں کو دیکھ رہی تھی۔ اسے اپنا چہرہ دیکھ کر ایک دم تکلیف کا احساس ہوا۔
"رباب' میرے فیس پر نشان تو نہیں رہ جائیں گے؟"
وہ ایک دم حواس باختہ ہوئی۔
"نہیں نہیں یار! ایسا کچھ نہیں ہو گا۔" رباب نے گھبرا کر اسے تسلی دی۔
"یہ دیکھو میری ناک پر کتنی بڑی رگڑ کا نشان ہے' جلد تک پھٹ گئی ہے۔" شانزے روہانسی ہوئی۔
"ٹھیک ہو جائے گا انشاء اللہ' کیوں پریشان ہو رہی ہو یار۔" رباب اس کا ہاتھ پکڑ کر بیڈ پر لے آئی اور اسے آہستگی سے وہاں بٹھا دیا۔
"بہت برا ہوا ہے میرے ساتھ۔" اس کی آنکھوں سے آنسو پھسلے۔ وہ آہستہ آہستہ حقیقت کی دنیا میں واپس آ رہی تھی۔
"لیکن یہ سب کیسے ہوا؟" رباب نے فکرمندی سے شانزے کو دیکھا' جو اپنے بازو کی پشت سے رگڑ کر آنکھیں صاف کر رہی تھی۔ آنسو تھے کہ پھسلتے ہی آ رہے تھے۔
"بتاؤ تو سہی میری جان؟ کیسے ہو گیا سب؟" رباب نے فکرمند لہجے میں پوچھا۔
"بدقسمتی جس انسان کا سایے کی طرح پیچھا کرتی ہو' اس سے ایسے سوال نہیں پوچھا کرتے۔ اس کے ساتھ کہیں پر کچھ بھی ہو سکتا ہے۔" وہ خود سے خفا لگ رہی تھی۔ ہاتھ میں پکڑے ٹشو کا گولہ سا بنا کر اس نے ڈسٹ بن میں ڈالا اور تکیے پر سر رکھ دیا۔
"پہلے ڈریس چینج کر لو' پھر ریسٹ کرنا۔" رباب نے اس کی الماری سے ایک سوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔
"میرا دل نہیں کر رہا۔" اس نے سستی سے جواب دیا اور رخ موڑ لیا۔
"شانزے کبھی تو میری بات مان لیا کرو' مجھے تمہارے سفید کپڑوں پر لگے خون کے داغ دیکھ دیکھ کر وحشت ہو رہی ہے۔" رباب کے توجہ دلانے پر اس نے چونک کر اپنی میکسی کو دیکھا جو بری طرح سے برباد ہو چکی تھی اور اب دوبارہ پہننے کے قابل بھی نہیں رہی تھی۔
"اور جو داغ میرے دل پر لگ چکے ہیں وہ تمہیں کیسے دکھاؤں۔" وہ سخت افسردہ تھی۔ "ایسا لگتا ہے جیسے میرے کپڑوں پر خون کا نہیں میرے ارمانوں کا رنگ لگا ہوا ہے۔ میرا سب کچھ ایک لمحے میں ختم ہو گیا۔"
"یہ باتیں بعد میں کرنا' پہلے چینج کر کے آؤ۔" رباب نے نرمی سے اسے ٹوکا۔
"ادھر دو کپڑے...." اس نے بیزاری سے کہا تو رباب نے فوراً" سوٹ اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ پانچ منٹ کے بعد وہ ڈھیلے ڈھالے سے ٹراؤزر اور ٹی شرٹ میں بالکل ایسے معصوم بچے کی طرح لگ رہی تھی جس سے اس کا من پسند کھلونا چھین لیا ہو اور وہ اب احتجاجا" منہ بسور کر بیٹھا ہوا ہو۔
"تمہارے ایڈ کی شوٹنگ کب تھی۔" رباب نے خاصے غلط موقعے پر یہ سوال کر لیا۔
"وہ تو ہاتھ سے نکل گیا۔" شانزے کی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو پھر آ گئے۔ جسے دیکھ کر رباب گھبرا سی گئی۔
"دفع کرو' میں تو ویسے ہی ان چیزوں کے خلاف ہوں۔" اس نے روانی سے شانزے کو تسلی دینے کے لیے کہا' لیکن یہ ہی بات اس کے گلے پڑ گئی۔
"کہیں تم نے تو مجھے کوئی ایسی بددعا نہیں دی تھی....؟" شانزے فوراً" بدگمان ہوئی تو وہ بوکھلا سی گئی' اس الزام کی اسے کہاں توقع تھی۔
"کچھ خدا کا خوف کرو شانزے۔" وہ جلدی سے اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ "میں ایسا کیوں کروں گی بھلا؟"
"پھر میرے ساتھ ایسے کیوں ہو رہا ہے؟ پہلے

ریپ سے گرنا اور اب میرا ایکسیڈنٹ۔ ایسا لگتا ہے جیسے واقعی کسی نے مجھے بددعا دے رکھی ہو۔" اس کے پاس الزامات کی کمی تو کبھی بھی نہیں رہی تھی۔

"اب جو میں بات کروں گی' وہ شاید تمہیں اچھی نہ لگے۔" رباب کے محتاط انداز پر وہ چونکی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا....؟" وہ سنجیدہ ہوئی۔

"چھوڑو اس بات کو' چائے پیو گی۔" رباب نے اس کی توجہ دوسری جانب مبذول کروانے کی کوشش کی۔

"میں نہیں چھوڑ سکتی اس بات کو' تمہیں اندازہ نہیں ہے شوبز میں نام کمانا میری زندگی کا واحد خواب ہے اور میں اپنے واحد خواب سے دستبردار نہیں ہو سکتی۔" وہ بری طرح سے جھنجلاہٹ کا شکار ہوئی۔

"لیکن بعض حادثے انسان کو اس لیے پیش آتے ہیں کہ اللہ اسے کسی چیز سے روکنا چاہتا ہے۔" رباب ہلکا سا جھجک کر بولی۔

"تمہارا مطلب ہے کہ اللہ کو میرا شوبز میں کام کرنا پسند نہیں۔" وہ ناراض سے انداز سے اٹھ بیٹھی۔

"مجھے بس اتنا پتا ہے' اللہ کو کچھ لوگ بہت عزیز ہوتے ہیں' وہ ان کو بہت سی چیزوں سے بچانا چاہتا ہے۔" رباب نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"لیکن یہ میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش ہے۔" وہ زور دے کر بولی۔

"بعض خواہشیں' بعض تمنائیں انسان کے لیے اپنے دامن میں ہلاکت کا سامان لیے ہوتی ہیں۔ اللہ اگر کوئی چیز آپ کو نہیں دے رہا ہوتا تو اس میں اس کی کوئی نہ کوئی مصلحت ہوتی ہے۔" رباب نے سنجیدگی سے اس نادان لڑکی کو دیکھا۔

"اللہ کے اختیار میں تو سب کچھ ہے' وہ اس خواہش کو میرے حق میں بہتر بھی تو کر سکتا ہے۔" وہ اس وقت اس ضدی بچے کی طرح لگ رہی تھی' جو چاند کو اپنی مٹھی میں پکڑ کر دیکھنا چاہتا ہو اور اپنی اس خواہش سے کسی بھی قیمت پر دستبردار نہ ہونا چاہتا ہو۔

"وہ بے نیاز ہے' جسے چاہتا ہے دے دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے اسے دے کر واپس لے لیتا ہے۔ اس کے ساتھ ضد مت لگاؤ' اس کی رضا میں راضی ہو جاؤ گی تو وہ سب کچھ تمہیں دے گا' جو تم چاہتی ہو۔" رباب نے اسے سمجھانے کی ناکام کوشش کی۔

"مجھے معلوم ہے' وہ مجھے کچھ نہیں دے گا۔" وہ باقاعدہ منہ بنا کر بیٹھ گئی' ایسے جیسے وہ ساری دنیا سے خفا ہو گئی ہو۔

"اگر ایسا گمان رکھو گی تو وہ تمہیں ایسا ہی دے گا....." رباب نے اسے دھمکایا' لیکن آگے سے بھی شانزے تھی' جو ضد کی پکی تھی۔ اس نے اس بات کا کوئی بھی جواب نہیں دیا اور خاموشی سے لیٹ گئی۔ منہ پر چادر تان لی' رباب کو معلوم تھا وہ اس واقعے کا باقاعدہ سوگ کئی ہفتوں تک منائے گی اور اس سلسلے میں اس کی ایک بھی نہیں سنے گی۔ رباب نے بھی تنگ آ کر اپنی فائل کھولی اور اسائنمنٹ بنانے لگی' کیونکہ اسے اب مزید سمجھانا بھینس کے آگے بین بجانے کے مترادف تھا اور وہ یہ بات اچھی طرح جانتی تھی۔

☼ ☼ ☼

اوریدا نے آہستگی سے پچھلے صحن کا دروازہ کھولا اور آسمان کی طرف دیکھا۔ پورا آسمان کالے سیاہ بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے بادلوں نے کالے رنگ کی چنریاں اوڑھ رکھی ہوں۔ تھوڑی دیر پہلے آنے والی آندھی کی وجہ سے درختوں کے پتے چاروں طرف بکھرے ہوئے تھے۔ برآمدے میں بڑی اماں گھر کی ملازماؤں کو ساتھ لیے اپنی نگرانی میں اچار کے لیے کیریاں کٹوا رہی تھیں۔ ان کا آدھا دھیان کام کرنے والیوں کی طرف اور باقی آسمان پر آئے ہوئے گھرے سیاہ بادلوں کی طرف تھا۔

"جلدی ہاتھ چلاؤ' تم لوگوں نے ابھی تک موسم کے تیور نہیں دیکھے کیا۔" بڑی اماں دوسروں کو کم اور خود کو زیادہ ہلکان کر رہی تھیں۔

"شہناز ہلدی تھوڑی اور ڈالو۔" بڑی اماں کا بس

نہیں چل رہا تھا کہ دونوں ملازماؤں کے ہاتھ سے چیزیں پکڑ کر خود مکس کرنا شروع کر دیتیں۔

اوریدا اس سارے ہنگامے سے بے نیاز آم کے درخت کے پاس آکر کھڑی ہو گئی۔ بارش کی چند بوندیں درختوں کے پتوں سے اس کے اوپر آن گریں' دور کہیں بجلی چمکی تھی۔ پچھلے صحن کے درختوں پر گھومتی ہوئی ایک گلہری بھی دبک کر ایک جگہ بیٹھ گئی تھی۔

"سب کچھ جلدی جلدی سمیٹو اور کچن میں لے جاؤ۔" بڑی اماں نے بارش کی آمد کے ساتھ ہی شور مچا دیا' حالانکہ وہ جس جگہ پر بیٹھی کام کروا رہی تھیں' وہاں بارش کسی صورت نہیں پہنچ سکتی تھی' لیکن بڑی اماں کے سامنے یہ بات کہنے کی جرات کون کر سکتا تھا۔

"یہ تم کیا بھٹکی ہوئی روح کی طرح درختوں کے نیچے گھوم رہی ہو۔" بڑی اماں فارغ ہو کر اس کی طرف متوجہ ہوئیں' جو سفید رنگ کے سوٹ میں اداس اور دلگرفتہ انداز سے ادھر ادھر پھر رہی تھی۔

"ویسے ہی...." اس نے افسردگی سے مختصراً" جواب دیا۔

"کہیں تیمور نے پھر کوئی جھاڑ پٹی تو نہیں کر دی...." بڑی اماں کا بات کرنے کا اپنا مخصوص اسٹائل تھا' جس سے اکثر اوریدا چڑ جاتی۔

"آپ نے پاپا کو کیا اپنی طرح سمجھ رکھا ہے؟" اس نے ٹھاک ٹھاک برا مانا' جسے بڑی اماں نے صاف نظر انداز کر دیا۔

"ظاہر ہے میرا بیٹا ہے' میرے اوپر ہی جائے گا ناں۔" اوریدا نے ان کی بات پر کوئی جواب نہیں دیا۔

"یہ ارصم دو دن سے نظر نہیں آرہا' تمہاری اس کے ساتھ کوئی لڑائی تو نہیں ہو گئی۔" بڑی اماں نے بالکل درست اندازہ لگایا۔ اس ڈنر کے بعد ان دونوں کی بات چیت مستقل طور پر بند تھی' ارصم نے بھی ان کے پورشن کا چکر نہیں لگایا' جبکہ دوسری طرف اوریدا بینش آنٹی کی وجہ سے جانے سے کتراتی تھی۔

"آپ کا کیا خیال ہے' مجھے لڑنے کے علاوہ اور کوئی کام نہیں آتا؟" وہ کہیں کا غصہ کہیں نکال رہی تھی۔

"مرچوں کا اچار تو میں نے مرتبان میں ڈالا ہے' یہ تمہیں کیوں لگ رہی ہیں؟" بڑی اماں نے ہنس کر اپنی پوتی کو دیکھا جو ان کو عزیز بھی بہت تھی۔

"بڑی اماں' آپ غلط بات نہ کیا کریں۔" ان کے ہنسنے پر وہ بھی کچھ نرم ہوئی۔

"یہ ارصم آج کل ہے کہاں پر....؟" انہوں نے آسمان سے برستی بوندوں کو دیکھتے ہوئے سرسری لہجے میں پوچھا۔ اوریدا بارش کی وجہ سے انہی کے پاس آکر کھڑی ہو گئی تھی۔

"پتا نہیں...." اس نے بالکل سچ بولا تھا لیکن بڑی اماں کو شاید یقین نہیں آیا۔ "ہر وقت تو تمہارا سایہ بنا گھومتا تھا' اب تم ہی کہہ رہی ہو کہ تمہیں پتا نہیں' جاؤ بھاگ کر اسے بلا کر لاؤ۔ میں نے اس کے لیے آم کا مربہ بنایا ہے۔"

بینش آنٹی کے ساتھ ان کے لاکھ اختلافات سہی' لیکن اوریدا کو پتا تھا کہ ارصم پر وہ جان دیتی تھیں۔ وہ بھی ان کے آگے پیچھے پھرتا تھا خصوصاً" بڑے ابا کا تو وہ بہت ہی لاڈلا تھا۔

"میں ہرگز نہیں جاؤں گی' مجھے بینش آنٹی سے ڈر لگتا ہے۔" اس نے صاف انکار کیا۔

"وہ کھا تھوڑی جائے گی تمہیں۔ ویسے بھی تو ہر وقت وہیں گھسی رہتی ہو بینش کی باتوں کا کہاں تم پر اثر ہوتا ہے۔" بڑی اماں نے ذرا جو اس کی بات کو اہمیت دی ہو۔ جب کہ اوریدا کو اچھی طرح سے پتا تھا کہ وہ اس جھگڑے کی وجہ سے ان کی طرف نہیں آرہا۔

"میں پکوڑے بھی بنوا رہی ہوں پودینے کی چٹنی کے ساتھ' جا کر اسے بلا لاؤ۔" بڑی اماں بھی آج اس کے پیچھے ہی پڑ گئی تھیں۔

"کیوں اس کی ممی بھی تو ہیں' اپنے بیٹے کے لیے ایسی چیزیں خود بنائیں۔ ہم نے ٹھیکہ تھوڑی اٹھا رکھا ہے۔" وہ چڑ کر بولی۔

"بینش کے پاس اتنا وقت کہاں' ویسے بھی شروع سے میرے اور بوا رحمت کے ہاتھوں میں پلا ہے۔"

بڑی اماں نے محبت بھرے انداز سے وضاحت کی۔

"ہاں آپ ہی لوگوں نے اسے سر پر چڑھا رکھا ہے۔" وہ ناک چڑھا کر بولی۔

"ہائیں ہائیں..... یہ تم آج کس چینل پر بول رہی ہو، ویسے تو تمہارے اس کے بغیر پانچ منٹ نہیں گزرتے اور آج تمہیں اس کا ذکر بھی ناگوار گزر رہا ہے۔" بڑے اماں نے ناک پر انگلی رکھ کر تعجب سے اسے دیکھا وہ خاموش رہی۔

"اس کا مطلب ہے، تم نے اس کے ساتھ بھی کوئی پنگا کرلیا ہے، تبھی تو اسے بلانے نہیں جارہی ہو۔"

"ہرگز نہیں۔" اس نے نظریں چرائیں۔ "جارہی ہوں نواب صاحب کو بلانے کے لیے۔"

"جلدی واپس آنا، وہیں جا کر بیٹھ مت جانا۔" بڑی اماں نے پیچھے سے آواز لگائی۔

وہ بڑی اماں کی بات پر پاؤں پٹختی ہوئی لاؤنج کی طرف بڑھ گئی، وہاں سے گزرتے ہوئے تیزی سے جیسے ہی اس نے لان کا دروازہ کھولا، بڑے ابا کے ساتھ اس کی بڑی زبردست ٹکر ہوئی۔ دونوں کو ہی دن میں تارے نظر آگئے تھے۔ بڑے ابا نے ہاتھ میں جو سیل فون پکڑا تھا وہ اس زوردار ٹکر کے نتیجے میں ہاتھ سے چھوٹ کر ماربل کے فرش پر جاگرا اور اگلے ہی لمحے اس آئی فون کی اسکرین ٹوٹ گئی، ساتھ ہی بڑے ابا کا پارہ ہائی ہوگیا۔

"تمہیں چلنے کی تمیز نہیں ہے کیا....." بڑے ابا ایک دم بھڑک کر بولے۔ اوریدا خوفزدہ انداز سے ان کے ٹوٹے ہوئے سیل فون کی طرف دیکھتے ہوئے دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی ہوگئی۔

"جاہل لڑکی، میرے سیل فون کا بیڑا غرق کردیا۔ پتا نہیں ساری زندگی کچھ سیکھا بھی تھا کہ نہیں۔" بڑے ابا نے سیل فون اٹھاتے ہوئے ایک دفعہ پھر اس کی طبیعت صاف کی، اوریدا کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ دل بری طرح سے کانپ رہا تھا۔

"آئی ایم سوری بڑے ابا....." وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں بولی، اسی وقت بڑی اماں بھی لاؤنج میں داخل ہوئیں، انہوں نے حیرانگی سے سامنے کا منظر دیکھا۔ ڈاکٹر جلال کی شعلہ اگلتی آنکھوں اور ضبط سے لال ہوتے چہرے کو دیکھتے ہی وہ بھی بری طرح گھبرا گئیں۔

"کیا ہوا....." وہ لپک کر ان دونوں کے پاس آئیں۔ بڑے ابا سیل فون کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہے تھے اور تھوڑے ہی فاصلے پر کھڑی اوریدا تھر تھر کانپ رہی تھی۔ اس کی تو ویسے ہی بڑے ابا کو دیکھ کر روح فنا ہو جاتی تھی۔

"اس کی ماں نے تو اسے کچھ نہیں سکھایا، آپ ہی کچھ تھوڑی بہت تربیت کردیں، کم از کم اسے چلنا، پھرنا اور بولنا ہی سکھادیں۔" بڑے ابا بولے نہیں بلکہ پھنکارے تھے۔ اوریدا کا رنگ فق ہوا اور اسے لگا جیسے کسی نے اسے شرمندگی کے گہرے گڑھے میں دھکا دے دیا ہو۔

بڑے ابا ناراض سے انداز سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے اور بڑی اماں نے گلہ آمیز نگاہوں سے اپنی پوتی کی طرف دیکھا۔ جیسے کہہ رہی ہوں کہ تم بار بار ایسی حرکتیں کیوں کرتی ہو۔ اوریدا صدمے بھرے انداز سے لاؤنج کا دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

وہ ایک روبوٹ کے سے انداز سے چلتی ہوئی لان کی طرف بڑھ گئی۔ بارش پوری شدت کے ساتھ برس رہی تھی، لیکن اس کے ذہن میں تو بڑے ابا کی باتیں ژالہ باری کی صورت میں برس رہی تھیں۔ پانچ ہی منٹ میں وہ بری طرح سے بھیگ گئی تھی۔ یہ تو شکر تھا کہ گرمیوں کی بارش تھی۔

لان میں لگے جامن کے درخت سے ٹیک لگا کر وہ زمین پر بیٹھ گئی۔ اس کے دماغ میں آندھیاں چل رہی تھیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ کہیں فضا میں معلق ہوگئی ہو۔ بڑے ابا کے جملے سے زیادہ ان کے تلخ لہجے نے اسے شرمندگی کی ایسی دلدل میں دھنسا دیا تھا کہ، وہ نہ چاہتے ہوئے بھی نیچے سے نیچے دھنستی چلی جارہی تھی۔ اسے پہلی دفعہ احساس ہوا تھا کہ وہ اس سے کتنی سخت نفرت کرتے تھے۔ پتا ہی نہیں چلا کب وہ گھٹنوں میں بازو رکھے اپنا منہ چھپائے زاروقطار رو رہی تھی۔

ارصم نے ان کے پورشن کی طرف آتے ہوئے حیرانگی سے اوریدا کو دیکھا۔ تیز بارش میں وہ درخت کے نیچے دنیا و مافیہا سے بے نیاز بیٹھی تھی جبکہ ارصم اتنے خراب موسم میں خود چھتری لے کر باہر نکلا تھا۔

"اوریدا ایسے کیوں بیٹھی ہو..." وہ چھتری کھول کر بالکل اس کے پاس آن کھڑا ہوا۔ اوریدا کو اس کی آواز اپنی سماعتوں کا دھوکا محسوس ہوئی۔

"میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں یار۔" ارصم نے گھبرا کر اس کا کندھا ہلایا۔ اس نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور رونے کے شغل میں مصروف رہی۔

"اوریدا کیا ہوا ہے...؟" وہ حقیقتاً" پریشان ہوا۔ اوریدا نے روتے ہوئے سر اٹھایا۔ بھیگتے موسم میں اس کی آنکھوں میں ہونے والی بارش دیکھ کر وہ بوکھلا گیا۔ اس کی آنکھوں میں دکھ، غم، ناراضی اور کیا کچھ نہیں تھا۔ آنکھیں سرخ انگارہ بنی ہوئی تھیں۔

"کسی نے کچھ کہا ہے تمہیں؟" وہ ہمدردی سے اس سے پوچھ رہا تھا۔ اوریدا جھٹکے سے اٹھی اور اس کی طرف ایک ناراض نگاہ ڈالی اور گھر کے اندرونی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

"واٹس رانگ وِد یو اوریدا...؟" وہ اس کے پیچھے لپکا، لیکن اوریدا نے بھی آج اس کی کچھ نہ سننے کی قسم کھا رکھی تھی۔

اوریدا گندے کیچڑ والے جوتوں سمیت اندر داخل ہوئی اور لاؤنج کے فرش پر بننے والے کیچڑ کے نشانات کو بڑے ابا نے بڑے کوفت بھرے انداز سے دیکھا اور جتاتی ہوئی ایک نگاہ اپنی بیگم پر ڈالی، جو خود بھی بے چینی سے پہلو بدل رہی تھیں۔ اوریدا تب تک سیڑھیاں چڑھ کر اپنے کمرے کی طرف جا چکی تھی۔ ارصم جو اس کے پیچھے تھا، وہ بڑے ابا کو لاؤنج میں بیٹھا دیکھ کر خفت بھرے انداز میں رک گیا۔ بڑے ابا بڑی فرصت سے وہیں اخبار پھیلائے بیٹھے تھے۔ ان کو سلام کر کے وہ وہیں بیٹھ گیا تھا۔ اوریدا کے پیچھے جانے کا ارادہ اس نے فی الحال ملتوی کر دیا تھا۔

"ارصم بیٹا دو دن سے کہاں گم تھے...؟" بڑی اماں کو اچانک ہی یاد آیا۔

"میں لاہور گیا ہوا تھا۔" اس نے سنجیدگی سے جواب دیا ان کی آنکھوں میں حیرت دیکھ کر وہ مسکرایا۔

"بڑے ابا کو تو پتا تھا میں یہاں نہیں ہوں۔" اس نے مزید وضاحت دی۔

"یہ کہاں ایسی باتیں کسی کو بتاتے ہیں، خیر چائے پیو گے؟" انہوں نے کچن کی طرف بڑھتے ہوئے لاپروائی سے پوچھا۔

"میں تو کھانا کھانے آیا تھا یہاں۔" وہ بے تکلفی سے ان کے پیچھے ہی کچن میں آ گیا اور اب ڈھکن اٹھا اٹھا کر چیک کر رہا تھا کہ کیا بنا ہے۔

"بیٹھو کرسی پر، میں گرم کر کے دیتی ہوں..." بڑی اماں نے سالن ڈونگے میں نکال کر اوون میں رکھا۔ وہ کچن میں رکھی چھوٹی میز اور کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ اب دونوں کہنیاں میز پر رکھے بڑی اماں کا اداس سا چہرہ غور سے دیکھ رہا تھا۔

"یہ اوریدا کو کیا ہوا ہے بڑی اماں...؟" اس کے دانستہ اپنائے ہوئے لاپروا انداز پر وہ چونکیں۔ "تمہیں کچھ کہا ہے اس نے؟"

"نہیں، ابھی لان میں دھواں دھار رونے کا سیشن چل رہا تھا۔" اس نے ہاٹ پاٹ سے روٹی نکالتے ہوئے عام سے انداز سے بتایا۔

"میں تو اس لڑکی کی بے وقوفیوں سے سخت تنگ آ گئی ہوں۔ پتا نہیں کیا بنے گا اس کا۔" بڑی اماں اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئیں، پریشانی ان کے انگ انگ سے نمایاں تھی۔

"اب کیا، کیا اس نے...؟" ارصم نے آلو قیمے کا سالن پلیٹ میں نکالا۔

"تمہیں بلانے کے لیے بھیجا تھا۔ منہ اٹھائے اپنی دھن میں دروازہ کھول کر باہر نکل رہی تھی اور تمہارے بڑے ابا سے ٹکرا گئی..."

"اوہ پھر۔" وہ سوچ سکتا تھا کہ آگے کیا ہوا ہو گا۔

"ان کا اتنا مہنگا سیل فون ہاتھ سے چھوٹ کر گرا اور

ٹوٹ گیا۔" بڑی اماں کو اچانک یاد آیا کہ وہ میز پر پانی کی بوتل رکھنا تو بھول گئیں۔

"پھر تو بہت ڈانٹ پڑی ہو گی اسے۔" ارصم فکر مند ہوا۔

"ایسی ویسی، تمہیں پتا تو ہے اپنے بڑے ابا کا' کسی کا لحاظ تھوڑی کرتے ہیں۔" بڑی اماں نے اس کے گلاس میں پانی ڈالتے ہوئے منہ بنایا۔

"ہاں یہ تو ہے۔۔۔ وہ بھی فوراً" متفق ہوا۔ دونوں کے درمیان میں ایک خاموشی کا وقفہ آیا تھا۔

"سنا ہے بینش تمہاری پوزیشن کی خوشی میں کوئی فنکشن کر رہی ہے۔" انہیں اچانک ہی یاد آیا کہ آج کل دوسرے پورشن میں خوب گہما گہمی ہے۔

"جی میں نے تو منع کیا تھا لیکن وہ مانیں نہیں' اسی اتوار کو ہے۔" وہ اب ٹشو سے ہاتھ صاف کر رہا تھا۔

"لو ماں ہے تمہاری' اگر کوئی خوشی منانا چاہتی ہے تو منع کرنے کی کیا ضرورت ہے۔" بڑی اماں نے فوراً" حمایت کی تو وہ مسکرا دیا۔ وہ اچھی طرح سے جانتا تھا کہ اس کی ممی اور بڑی اماں کے درمیان کبھی بھی تعلقات خوشگوار نہیں رہے' لیکن بڑی اماں کی سادگی اسے ہمیشہ متاثر کرتی تھی۔

"اب تم کہاں جا رہے ہو' چائے نہیں پیو گے کیا۔۔۔؟" بڑی اماں نے اسے اٹھتے دیکھ کر فوراً" ٹوکا۔

"آپ چائے بنائیں' میں ذرا اوریدا سے مل کر آتا ہوں۔" وہ جاتے جاتے لاپروائی سے بولا تھا۔ کچن سے نکلتے ہی اس نے لاؤنج میں بیٹھے بڑے ابا کو دیکھا جو کوئی آرٹیکل پڑھنے میں مگن تھے۔

دوسری جانب اوریدا اپنے کمرے میں سیل فون کان کے ساتھ لگائے دھواں دھار روتے ہوئے اپنے باپ کو سخت پریشان کر رہی تھی۔ سات سمندر پار بیٹھے تیمور کے دل کو کچھ ہو رہا تھا۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ بیٹی کو فوراً" واپس بلوا لیتے۔

"بڑے ابا کا سیل فون ٹوٹنا اتنی بڑی بات نہیں ہے اوریدا۔" وہ اسے سمجھانے کی مکمل کوشش کر رہے تھے۔

"نہیں پاپا' وہ بہت مہنگا تھا۔" وہ اپنی ضد پر قائم تھی۔

"کیا ایک ملین کا تھا۔۔۔؟" وہ ہلکا سا چڑ گئے۔

"بس آپ ان کو نیا بھیج دیں' وہ بہت غصے میں تھے' انہوں نے مجھے بہت ڈانٹا ہے۔" اس کی باتیں تیمور کا دل خراب کر رہی تھیں۔

"اچھا تم ٹینشن مت لو' میں ایک کے بجائے دو بھیج دیتا ہوں' ایک تمہارے لیے بھی۔" تیمور نے اسے مطمئن کرنے کی کوشش کی' کچھ بھی تھا' اوریدا میں ان کی جان تھی اور وہ سمجھ سکتے تھے کہ ان کے والد کس طرح سے ان کی بیٹی کو ٹف ٹائم دے رہے ہوں گے۔

"نیا سیل فون کب بھیجیں گے آپ۔۔۔؟" اس کی تسلی نہیں ہو رہی تھی' تیمور بے بسی سے ایک لمبی سانس لے کر رہ گئے۔

"آپ انکل شہریار سے کہیں ناں۔۔۔؟" اس نے ساتھ ہی انہیں مشورہ دیا۔

"ٹھیک ہے میں ابھی کال کر کے کہہ دیتا ہوں اسے' لیکن تم پلیز اب یہ رونا بند کرو۔" تیمور کی بات پر اس نے فوراً" بازو کی پشت سے رگڑ کر آنکھیں صاف کیں۔ جیسے ہی وہ فون بند کر کے مڑی' اس کی اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی نیچے رہ گئی۔ ارصم بالکل اس کے پیچھے کھڑا مسکرا رہا تھا۔ اس کی مسکراہٹ اس کا تو دل جلا کر رہ گئی۔ اس نے غصے سے ہاتھ میں پکڑا اپنا سیل فون بیڈ پر اچھالا۔

"کسی کے روم میں بغیر ناک کیے آنا ایٹی کیٹس کے خلاف ہے۔" وہ ہلکی سی ناگواری سے گویا ہوئی۔

"چاہے وہ آپ کی کزن یا بیسٹ فرینڈ ہو تب بھی۔" وہ اپنے دونوں بازو سینے پر باندھے بالکل اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

"میں کسی کی بیسٹ فرینڈ نہیں ہوں۔" اس نے فوراً" تصحیح کی۔

"چلو کزن تو ہو ناں۔" اس نے جان کر اسے چھیڑا' جو سرخ ناک کو بار بار اوپر چڑھاتے ہوئے بہت کیوٹ لگ رہی تھی۔ اس سوال کا جواب وہ نفی میں نہیں

دے سکتی تھی اس لیے چپ رہی۔
"تم نے انکل تیمور کو شکایت لگادی....؟" وہ اب کتابوں کے ریک کی طرف بڑھتے ہوئے یونہی لاپروائی سے بولا' حالانکہ اس نے اوریدا کا صرف آخری جملہ سن کر اندازہ لگایا تھا۔
"کسی کی باتیں چھپ چھپ کر سننا ایٹی کیٹس کے خلاف ہے۔" وہ جھنجلا کر گویا ہوئی۔
"لو اتنا تو اونچا تمہارا الیوم تھا' اوپر سے دروازہ بھی کھلا ہوا تھا' مجھے تو یقین ہے نیچے لاؤنج میں بیٹھے بڑے ابا نے بھی ساری گفتگو سن لی ہوگی۔" ارصم کی بات پر اوریدا کی روح فنا ہوئی' وہ گھبرا کر کھلے دروازے سے باہر نکلی اور گیلری کے پاس لگی گرل سے نیچے جھانک کر دیکھا' بڑے ابا بڑے اطمینان سے بیٹھے کوئی انگلش نیوز پیپر پڑھ رہے تھے' وہ انہی قدموں کے ساتھ واپس لوٹ آئی۔ ارصم مزے سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔
"کیا واقعی بڑے ابا نے سن لیا ہوگا....؟" اس کو ایک نئی پریشانی لاحق ہوگئی۔
"ظاہر ہے۔" اس نے لاپروائی سے کندھے اچکائے۔
"لیکن میں اتنا اونچا تو نہیں بول رہی تھی۔" اس نے خود کو تسلی دینے کی ناکام کوشش کی۔ ایک دفعہ پھر وہ بری طرح گھبرا گئی تھی۔
"ارے بابا نہیں سنا' میں تو ویسے ہی تمہیں تنگ کر رہا تھا۔" ارصم نے اس کی شکل دیکھ کر سچ بات بتائی۔
"ہاں اب آپ کی ہی تو کسر رہ گئی تھی' باقی ساری دنیا تھوڑا ستاتی ہے مجھے' آپ بھی ستائیں۔" وہ ہلکا سا چڑ کر بولی۔
"اور جو تم نے دو دن پہلے میرے ڈنر پر کیا تھا' وہ کیا تھا....؟" ارصم کے سنجیدہ انداز پر اوریدا نے فوراً اس سے نظریں چرائیں۔
"سخت زہر لگتی ہے مجھے وہ زرش بی بی' سمجھتی کیا ہے خود کو۔" اس کے بے ساختہ انداز پر ارصم نے اپنے ہونٹوں پر آنے والی مسکراہٹ کو بمشکل روکا۔
"آخر اس بیچاری نے تمہارا بگاڑا کیا ہے....؟"

"اس کی وجہ سے تم مجھ سے دو دن خفا رہے ہو۔" اس کے پاس اسے ناپسند کرنے کا ایک مضبوط جواز تھا۔
"میں....؟" وہ حیران ہوا۔ "تمہیں کس پاگل نے کہا کہ میں تم سے ناراض تھا....؟" وہ اب بڑے اطمینان سے کاؤچ پر بیٹھ گیا۔
"پھر دو دن ہماری طرف کیوں نہیں آئے....؟" وہ تپ کر بولی۔ ناراضی اس کے لہجے سے عیاں تھی۔
"وہ تو میں لاہور گیا ہوا تھا' ورنہ ایسا کیسے ممکن ہے کہ میں یہاں ہوں اور بڑے ابا کو سلام کرنے نہ آؤں۔" اوریدا کو پتا تھا کہ یہ اس کا معمول تھا۔ وہ کتنا ہی مصروف کیوں نہ ہوتا۔ بڑے ابا سے اسے بے تحاشا محبت تھی۔ وہ خود بھی اس کا بے تابی سے انتظار کرتے تھے۔
"لیکن ناراض تو تھے ناں....؟" وہ اس کے بالکل سامنے آن کھڑی ہوئی۔ آنکھوں میں خفگی' لبوں پر سنجیدگی اور ماتھے پر پڑا گہرا بل اس کے اندرونی جذبات کی عکاسی کر رہا تھا۔
"تم سے خفا ہو سکتا ہوں....؟" وہ زیر لب مسکرایا تو وہ جھنجلا اٹھی۔ "بتاؤ ناں...."
"ایک تم ہی سے تو خفا نہیں ہو سکتا پاگل لڑکی' بات کو سمجھنے کی کوشش کیا کرو۔" اس کا لہجہ سادہ لیکن الفاظ کا چناؤ ایسا تھا کہ اوریدا کا خوش فہم دل پوری رفتار سے دھڑکا۔
وہ حیرانگی سے اسے دیکھنے لگی جو بڑے مزے سے اب اپنے سیل فون پر کوئی گیم کھیلنے میں مصروف ہو گیا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے ان کے درمیان کوئی جھگڑا کبھی ہوا ہی نہ ہو۔ اوریدا ابھی لاپروائی سے کندھے اچکا کر رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

"دیکھیں شانزے' آپ بات کو سمجھنے کی کوشش کریں پلیز....." تیسرے ہی دن وہ اس پروڈکشن ہاؤس کے ایڈورٹائزنگ ڈیپارٹمنٹ میں تھی۔ مگر حلیہ کچھ اس طرح سے تھا کہ ماتھے پر پٹی' بازوؤں پر خراشیں اور

ناک پر بھی زخم کا نشان نمایاں تھا۔ ارسل تاسف بھرے انداز سے اس لڑکی کو دیکھ رہا تھا جو اس سے ضد کر رہی تھی کہ اسے اپنے اشتہار میں کام کرنا ہے۔

"یہ سب چیزیں تو میک اپ سے بھی کور ہو سکتی ہیں۔" وہ کسی صورت میں بھی یہ ایڈ اپنے ہاتھ سے گنوانا نہیں چاہتی تھی۔ اس لیے ارسل کو وہ ساری تجاویز دے رہی تھی، جو اس کے ذہن میں تھیں۔

"یہ ممکن نہیں ہے شانزے! آپ کے ماتھے پر پورے تین ٹانکے لگے ہیں، ہمارے پاس اتنے ایکسپرٹ میک اپ آرٹسٹ نہیں ہوتے۔" ارسل سمجھ نہیں آپا رہا تھا کہ وہ کس طرح سے اس لڑکی کو سمجھائے، جس نے نہ سمجھنے کی قسم کھا رکھی تھی۔

"لیکن اس میں میرا تو کوئی قصور نہیں۔" وہ روہانسی ہوئی تو ارسل بے بس سے انداز سے سر پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔

"دیکھیں، آپ پریکٹیکل ہو کر سوچیں، جس کمپنی کا ایڈ ہے وہ کسی زخمی ماڈل کو لینے پر کیسے راضی ہوں گے، ان لوگوں سے آپ کی میٹنگ کروائی ہو گی۔" ارسل اسے کاروباری اسرار و رموز بتا رہا تھا جن کو شانزے کسی صورت بھی سمجھنے پر راضی نہیں ہو رہی تھی۔

"آپ ان سے بات کر کے تو دیکھیں...." شانزے نے ایک دفعہ پھر اصرار کیا۔

"میں اگر ایسا کروں گا تو میری اپنی ساکھ خراب ہو جائے گی...." ارسل نے دو ٹوک انداز اپنایا، وہ اب مزید مروّت کا مظاہرہ نہیں کر سکتا تھا۔

"لیکن کیوں....؟" اس نے استعجابیہ انداز میں پوچھا۔

"وہ سمجھیں گے کہ میں اپنی کسی جاننے والی کو پروموٹ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔" ارسل نے جھنجلا کر کہا تو شانزے کے چہرے پر مایوسی کے رنگ تیزی سے پھیلے۔ اسے کسی نہ کسی طرح ارسل کا پوائنٹ سمجھ میں آ ہی گیا تھا۔

"پھر میں کیا کروں....؟" اس نے آخر کار ہتھیار ڈال دیے۔ ارسل اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ وہ بالکل کسی معصوم بچے کی طرح خفا ہو کر بیٹھی ہوئی تھی۔

"ابھی تو آپ اپنے مکمل ٹھیک ہونے کا انتظار کریں، اللہ کوئی نہ کوئی سبب بنا دے گا۔" اس نے امید کی ڈور اس کے ہاتھ میں تھمائی۔

"اور اگر ایسا نہ ہوا تو....؟" وہ حد درجہ بے یقین تھی۔

"ان شاء اللہ ایسا نہیں ہو گا، مایوس نہیں ہوتے...." ارسل خاصا پر امید تھا، لیکن اس کے سامنے وہ لڑکی بیٹھی تھی جس کی قسمت کی بساط پر ہر دفعہ اسی کا مہرہ پٹ جاتا تھا۔ اس لیے وہ اس کی بات پر یقین کرنے کو تیار نہیں ہو رہی تھی۔

"جیسے ہی آپ کا فیس ٹھیک ہو گا، انشاء اللہ کوئی نیا کام نکل آئے گا۔" اس نے مزید تسلی دی۔

"لیکن ایسا نہ ہو کہ آپ وہ کام کسی اور کو دے دیں۔" وہ اب ارسل کی طرف سے مطمئن ہونا چاہ رہی تھی۔

"ایسا کیسے ممکن ہے شانزے! پہلے بھی آپ مجھے یاد تھیں تو میں نے آپ سے کانٹیکٹ کیا تھا۔" ارسل نے اسے یاد دلایا۔ "خیر چھوڑیں یہ بتائیں چائے لیں گی یا کافی....؟" ارسل نے اپنی طرف سے بات ختم کرنے کے لیے کہا۔

"نو تھینکس۔" وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔ "مجھے اب چلنا چاہیے۔" وہ خاصی دل گرفتہ سی لگ رہی تھی۔

"چائے تو پی کر جاتیں۔" ارسل نے اپنی طرف سے مروّت کا مظاہرہ کیا۔ لیکن شانزے سمجھ گئی تھی کہ وہ جس طرح بار بار رسٹ واچ کی طرف دیکھ رہا تھا اسے اپنے دوسرے کام کے لیے نکلنا ہے۔ وہ سلام دعا کر کے باہر نکل آئی.... اب وہ افسردہ انداز سے فٹ پاتھ پر چل رہی تھی۔ ارسل کا یہ پروڈکشن ہاؤس ایک پوش ایریے میں تھا اس لیے یہاں ٹریفک بہت کم تھی۔ چلتے چلتے اسے نہ جانے کیا ہوا وہ فٹ پاتھ پر بیٹھ گئی۔

"میرے ساتھ ہی ہمیشہ ایسا کیوں ہوتا ہے۔" اس سوچ نے اسے خود ترسی میں مبتلا کیا اور اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ دل تو آج کل ویسے ہی بات بات پر رونے کے بہانے ڈھونڈتا تھا اور آج تو اس کے پاس ایک مضبوط قسم کا بہانہ موجود تھا۔

"ساری زندگی ماں باپ کی محبت کو ترستی رہی اور اب دنیا نے مجھے اپنی ٹھوکروں پر رکھ لیا ہے۔" وہ سر جھکائے بری طرح سے رو رہی تھی۔

"ارے شانزے' آپ اس طرح فٹ پاتھ پر کیوں بیٹھی ہیں؟" ایک شناسا لہجہ اس کی سماعتوں سے ٹکرایا۔ شانزے نے بھیگی آنکھوں سے سر اٹھا کر دیکھا' سامنے ہنڈا سٹی گاڑی میں ارسل کا جرنلسٹ دوست سرمد بیٹھا اسے حیرانگی سے دیکھ رہا تھا۔

"یہ آپ کے ماتھے پر کیا ہوا؟ کیا کوئی ایکسیڈنٹ ہوا ہے آپ کا؟" وہ جلدی سے گاڑی کا دروازہ کھول کر نیچے اتر آیا۔

شانزے نے جلدی سے اپنا چہرہ صاف کیا اور سر اٹھا کر دیکھا' وہ جرنلسٹ اس کے سامنے کھڑا تھا' شانزے کو یاد آگیا کہ اس دن ریمپ پر گرنے والا واقعہ اسی نے ارسل کو سنایا تھا۔ اس سوچ کے ساتھ ہی اس کا خراب موڈ مزید خراب ہو گیا۔

"میں آپ سے بات کر رہا ہوں شانزے۔" وہ اس کی مسلسل چپ کی وجہ سے اکتا کر بولا۔

"آپ سے مطلب....؟" وہ اسی طرح فٹ پاتھ پر بیٹھے بیٹھے چڑ کر بولی تو سرمد ایک دم پریشان ہو گیا۔

"آپ ناراض ہیں مجھ سے؟" وہ بوکھلا کر اس کے پاس آن کھڑا ہوا۔

"مجھے کیا ضرورت پڑی ہے ایروں غیروں سے ناراضگیاں پالتی رہوں۔" اس کے خفگی سے بھرپور انداز پر سرمد کھل کر مسکرایا۔

"ہوں' اس کا مطلب ہے کہ آپ واقعی مجھ سے خفا ہیں۔" وہ اس سے کچھ فاصلے پر فٹ پاتھ پر ایسے آن بیٹھا' جیسے گھر سے اسی مقصد کے لیے آیا ہو۔ شانزے منہ بنا کر تھوڑا سا اور دور ہو کر بیٹھ گئی' وہ اس کی اس حرکت پر زیر لب مسکرایا۔

"وجہ پوچھ سکتا ہوں....؟" سرمد نے دانستہ سنجیدہ انداز اپنایا۔

"جب آپ دوسروں کی انسلٹ کے واقعات جگہ جگہ سناتے پھریں گے تو اگلا بندہ آپ سے ناراض ہی ہو گا۔" اس نے چڑ کر اصل بات بتائی' لیکن ارسل کو اس وقت واقعی اس بات کا بیک گراؤنڈ سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

"کیا مطلب....؟" وہ پتا نہیں اتنا ہی انجان تھا یا بننے کی کوشش کر رہا تھا۔

"اس دن ارسل کو آپ نے ہی فیشن شو میں میرے گرنے کا واقعہ سنایا تھا ناں....؟" اس کے ناک چڑھانے پر سرمد کو وہ بات یاد آ ہی گئی تھی جس کی وجہ سے وہ اس سے موڈ خراب کیے بیٹھی تھی۔

"آئی ایم سوری' مجھے اندازہ نہیں تھا' آپ اس طرح مائنڈ کر جائیں گی....؟" اس نے سنجیدگی سے وضاحت دی۔ "ایسا سانحہ تو کسی کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔" وہ اسے مطمئن کرنے کے لیے کہہ رہا تھا۔ "آپ اتنی ٹینشن کیوں لے رہی ہیں؟"

"تو آپ کا کیا خیال ہے' مجھے اس بات پر خوشی سے بھنگڑے ڈالنے چاہئیں؟" شانزے کا مزاج ہنوز برہم تھا۔

"میں نے ایسا کب کہا؟" وہ ہلکا سا گھبرایا۔ "میں آپ سے بہت زیادہ معذرت خواہ ہوں۔" اس نے سچے دل سے اپنی غلطی کی معافی مانگی۔

"اٹس اوکے....." وہ اب بیگ سے ٹشو نکال کر اپنا چہرہ صاف کر رہی تھی۔

"تو آپ یہاں کیوں بیٹھی ہیں' آئیں میں آپ کو ڈراپ کر دیتا ہوں۔" سرمد کے صلح جو انداز پر وہ ایک لمحے کو سوچ میں پڑ گئی' پھر اسے خیال آیا اس سڑک پر ٹیکسی کا ملنا ممکن نہیں اور مین روڈ پر پیدل جانے کی اس میں ہمت نہیں تھی' تنگ آ کر وہ کھڑی ہو گئی۔

"اوہ سو سیڈ..... مجھے اندازہ نہیں تھا کہ آپ کے ساتھ یہ حادثہ ہوا ہو گا۔" گاڑی میں بیٹھتے ہی اس نے

سرمد کے بار بار پوچھنے پر اسے اپنے زخمی ہونے والا واقعہ مختصراً "بتا ہی دیا تھا۔

"پھر تو وہ ایڈ آپ کے ہاتھ سے نکل گیا ہو گا۔" سرمد کی بات پر اسے کرنٹ سا لگا۔

"آپ کو کس نے بتایا؟ میں اس ایڈ میں کام کرنے والی تھی۔" شانزے حیرت بھرے انداز سے سرمد کو دیکھ رہی تھی جو بڑے مزے سے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔

"اس لیے کہ اس ایڈ میں ماڈل کے لیے میں نے ہی آپ کا نام تجویز کیا تھا۔" سرمد کے منہ سے نکلنے والی اس بات نے شانزے کو ہکا بکا کر دیا' وہ سخت تعجب اور بے یقینی سے اپنے ساتھ بیٹھے لڑکے کو دیکھتی رہ گئی' وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ اس طرح سے اس کے لیے سفارش کر سکتا ہے۔ احسان کے بوجھ تلے ایک دم ہی اس کی گردن جھک گئی اور وہ کافی دیر تک بولنے کے قابل نہیں رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

عدینہ کی زندگی میں اچانک ہی اداسی اور وحشت کا موسم چھا گیا تھا۔ عجیب بیزاری سی تھی' وہ کئی کئی گھنٹے سوئی رہتی اور اگر جاگتی بھی تو ایسے ہی محسوس ہوتا جیسے نیند کی کیفیت میں ہے۔ وہ جون کی ایک تپتی سی دوپہر تھی۔ سر پر سورج آگ برسا رہا تھا اور پیروں کے نیچے زمین تپتا ہوا تندور بنی ہوئی تھی۔ وہ یونہی ننگے پاؤں اپنے کمرے سے باہر نکل آئی۔ سامنے مونا پائپ لگائے پودوں اور درختوں پر پانی برسا رہی تھی۔ پانی کی بوچھاڑ کے نیچے دو منچلی سی بچیاں موسم کی شدت سے بے نیاز ایک دوسرے کے ساتھ اٹھکیلیاں کرنے میں مگن تھیں۔

"بچپن کے دن بھی کسی خوشنما خواب کی طرح ہوتے ہیں جب کسی کھلونے کے ٹوٹنے کا غم بس چند گھنٹوں تک محدود ہوتا ہے اور پھر ایک نئے عزم کے ساتھ جگنو کا تعاقب اور تتلی کے پروں پہ کہانیاں لکھنے کی دھن سوار ہو جاتی ہے۔ ہر چیز اپنی دسترس میں محسوس ہوتی ہے' لیکن افسوس یہ خوشنما خواب کا سفر بہت مختصر ہوتا ہے۔"

"عدینہ باجی! اتنے گرم فرش پر آپ کیسے ننگے پاؤں کھڑی ہیں۔۔۔؟" مونا بھاگ کر اس کی اندر سے چپل اٹھا لائی۔

"اچھا' موسم گرم ہے کیا۔۔۔؟" وہ سادہ سے انداز سے بولی تو مونا شدید دکھ کی کیفیت میں اسے دیکھتی رہ گئی۔ عدینہ کی یہ حالت اس کے دل کو تکلیف پہنچاتی تھی' اس نے اس لڑکی کو اس حالت میں دیکھا تھا جب اس کے گلاب چہرے پر ہر وقت مسکراہٹ رقصاں ہوتی تھی' نازک مزاج سی وہ لڑکی آج موسموں کی شدت سے بالکل بے نیاز تھی۔

"آج ہمارے شہر کا درجہ حرارت سبی کے گرم موسم کے برابر ہے۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر برآمدے میں لے آئی اور تخت پر بٹھا کر چھت کا پنکھا فل اسپیڈ میں چلا دیا۔ وہ اب اس کے بالکل سامنے کھڑی اپنے بھیگے کپڑے سکھا رہی تھی۔

"پتا نہیں آپ کو کیوں نہیں گرمی لگ رہی۔" مونا سمجھنے سے قاصر تھی۔

"جب انسان کے اپنے اندر کسی دکھ کا جہنم روشن ہو جائے تو اسے باہر کی جنت بھی محسوس نہیں ہوتی۔" عدینہ اس کی بات پر بے بس انداز سے مسکرائی۔

"عدینہ باجی پلیز بس کر دیں' اب تو پورے پندرہ دن ہو گئے ہیں۔" مونا جھنجلا کر گویا ہوئی۔

"تم مجھے پندرہ سال بعد بھی ملو گی تو میرے دل میں عبداللہ سے محبت کا دیا ایسے ہی روشن ہو گا۔" وہ سنجیدگی سے بولی اور اپنے کمرے سے نکلتی صالحہ آپا نے اس کا یہ جملہ پورے ہوش و حواس کے ساتھ سنا تھا۔ ناگواری کی ایک لہر ان کے پورے وجود میں دوڑی۔

"تمہارا عبداللہ سے کوئی شرعی رشتہ نہیں تھا۔ اس لیے ایسی باتیں کرنا تمہیں زیب نہیں دیتا۔" آپا صالحہ کی بات پر عدینہ کے چہرے پر سخت ناگواری کا تاثر پوری قوت سے ابھرا' جو کہ آپا صالحہ کے لیے بالکل نیا

تھا۔
"کسی اپنے کی موت کا سوگ منانا جرم ہے کیا؟ اس بات پر آپ کا اسلام کیا کہتا ہے؟" عدینہ کی بات اتنی سادہ نہیں تھی، لیکن لہجہ اس سے بھی زیادہ گستاخانہ تھا۔ آپا صالحہ کے پیروں کے نیچے سے زمین نکلی۔
"تمہارا اسلام کیا الگ ہے؟" وہ اس کے بالمقابل آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر تلخ لہجے میں بولیں۔ عدینہ کا نڈر انداز انہیں اندر ہی اندر کہیں ہولائے دے رہا تھا۔ "ویسے بھی اسلام میں تین دن سے زیادہ سوگ منانے کا حکم نہیں۔ سمجھیں تم؟"
"میرا دین بغیر کسی ثبوت اور گواہی کے نہ تو کسی کو بد کردار ثابت کرتا ہے اور نہ ہی میرے رب کی رحمت کا سمندر اتنا مختصر ہے۔ جتنا آپ اسے بنانے کی کوشش کرتی ہیں۔" عدینہ کا یہ انداز اور رنگ ڈھنگ ایک دفعہ تو آپا کی جان ہی نکال گیا۔ وہ جان گئی تھیں کہ وہ اس دن چھت والی بات کی طرف اشارہ کر رہی ہے جب انہوں نے اس کی صفائی میں کہی گئی ایک بھی بات نہیں سنی تھی۔
"تم کہنا کیا چاہتی ہو۔" وہ تھوڑا نرم پڑیں کیونکہ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔
"آپ لوگ خدائی صفات میں صرف قہار اور جبار کی تبلیغ مت کیا کریں، وہ رحمٰن بھی ہے اور رحیم بھی۔ اس کا بھی بتائیں، ویسے بھی اسلام ہمیشہ محبت اور نرمی سے پھیلا ہے، غصے اور جبر سے نہیں۔" اس نے بڑے آرام سے اپنی بات مکمل کی اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ آپا صالحہ کے تو گویا تلووں سے لگی اور سر پر بجھی تھی۔
"دماغ خراب ہو گیا ہے اس کا، ابھی زمین سے ڈھنگ سے اگی نہیں اور میرے منہ کو آ رہی ہے۔" وہ غصے سے پورے کمرے میں ٹہل رہی تھیں۔ انہوں نے ساری بات بے بے کو بھی بتا دی تھی۔
"تمہیں بھی تو ہزار دفعہ سمجھایا ہے، جوان اولاد سے اس طرح بات مت کیا کرو۔" بے بے نے ذرا محتاط انداز سے اپنی بہو کی بھی آج کلاس لی۔

"ایک تو پہلے ہی عبداللہ کے انتقال کے بعد سارے مدرسے کی ذمے داریاں میرے سر پر آن پڑی ہیں، اوپر سے اکلوتی اولاد منہ کو آ رہی ہے۔" آپا صالحہ تپ کر بولیں۔ عبداللہ کے جانے کے بعد انہیں احساس ہوا تھا کہ وہ لڑکوں کی سائیڈ کی ذمے داریاں کتنے احسن طریقے سے سرانجام دے رہا تھا۔ اس کی موجودگی میں انہیں کبھی بھی کسی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا، لیکن اب ایک مہینے میں ہی انہیں دن میں تارے نظر آ گئے تھے۔
"ابوبکر کو اپنے ساتھ کیوں نہیں ملا لیتی ہو، اسے سمجھاؤ، وہ سب کچھ سنبھال لے گا۔" بے بے نے مونا کے ایک کزن کا حوالہ دیا، جو کچھ عرصے سے وہیں قرآن پاک حفظ کرنے کے لیے آیا ہوا تھا۔
"بے بے! میں کیسے اس پر ساری ذمے داری ڈال سکتی ہوں، وہ ابھی بچہ ہے اور پھر وہ بھی تو عبداللہ سے تفسیر کی تعلیم لے رہا تھا۔ وہ بھی اس کی ادھوری ہے۔" آپا صالحہ کی توجہ اچانک ہی عدینہ سے ہٹ کر مدرسے کی جانب ہو گئی۔ عبداللہ کے بعد وہ واقعی اپنے مدرسے کی وجہ سے بہت سے مسائل کا شکار ہو رہی تھیں۔
"بچہ ہے تو کیا ہوا، جلد ہی سیکھ جائے گا۔" بے بے نے تسلی دی۔
"سوچ رہی ہوں کہ اخبار میں اشتہار دے دوں اور باقاعدہ کسی کو تنخواہ پر رکھ لوں....؟" انہوں نے بے بے سے مشورہ کیا۔
"وہ تو ٹھیک ہے لیکن جو بھی فیصلہ کرو، سوچ سمجھ کر کرنا کیونکہ ہم صرف تین عورتیں ہیں اور دنیا بہت تیز ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کل کو کوئی آ کر سب ہی چیزوں پر قبضہ کر بیٹھے۔" بے بے نے انہیں ڈرایا تو وہ ڈر بھی گئیں۔
"پھر میرا خیال ہے کہ ابوبکر پر ہی زیادہ ٹائم لگاؤں، کچھ بھی سہی، رفیق صاحب کا رشتے میں تو بھتیجا ہے ناں، کچھ تو خیال کرے گا۔" بے بے کا مشورہ اب انہیں خاصا معقول لگنے لگا تھا۔

"اور ہاں یہ عدینہ اپنے ہوسٹل واپس کب جائے گی؟" بے بے نے دوبارہ ان کی توجہ عدینہ کی طرف کروادی' وہ پھر بے چین ہو کر کھڑی ہو گئیں۔

"پتا نہیں.... انہوں نے منہ بنایا۔ "پچھلے دنوں تو اس کی طبیعت خاصی خراب تھی اس لیے میں نے بھی کچھ نہیں کہا۔" انہوں نے سچ بات بتائی۔

"میری مانو' اسے فورا" ہوسٹل بھجواؤ' تاکہ اس کا ذہن بٹے۔ خالی دماغ تو ویسے بھی شیطان کا گھر ہوتا ہے۔" بے بے نے سنجیدگی سے کہا تو آپا صالحہ فورا" ہی متفق ہو گئیں۔ ویسے بھی عدینہ کے باغیانہ انداز انہیں ہولا رہے تھے۔

"میرا خیال ہے' آپ ہی اس سے اس موضوع پر بات کریں۔ آپ کی تو وہ کافی مانتی ہے۔" آپا صالحہ نے ہلکا سا جھجک کر اپنی ساس سے کہا' ویسے بھی تھوڑی دیر پہلے ہونے والی تلخ کلامی کے بعد ان کا بالکل بھی دل نہیں کر رہا تھا کہ وہ فورا" ہی عدینہ سے گفتگو کا سلسلہ قائم کر لیں۔ وہ دل ہی دل میں عدینہ سے ٹھیک ٹھاک خفا ہو چکی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"بتائیں ناں' بڑی اماں میں ارصم کے ڈنر میں کون سا سوٹ پہنوں۔" اوریدا سخت الجھن کا شکار تھی اور اس وقت بھی بڑی اماں کو زبردستی اپنے کمرے میں پکڑ کر لائی تھی۔ بڑی اماں کے چہرے پر بیزاری اور کوفت کا عنصر نمایاں تھا' ان کا تمام تر دھیان اپنے اچار کی طرف تھا جہاں آج تھوڑا تھوڑا تیل اور ڈالنا تھا۔

"یہ پرپل شرٹ' جینز کے ساتھ کیسا رہے گا....؟" اوریدا نے ایک ریڈی میڈ سوٹ ان کے سامنے لہرایا۔

"یہ جینز اور شرٹ پہنو گی تم...." بڑی اماں کا موڈ ایکدم خراب ہوا تو اوریدا نے ہینگر بیڈ پر اچھال دیا۔

"اچھا یہ ریڈ میکسی کیسی ہے....؟" اس نے اچھا خاصا فینسی سوٹ ان کے سامنے کیا جو اس نے کسی کی شادی پر خریدا تھا۔

"لو ارصم کا ولیمہ تھوڑی ہے۔ جو اتنا لش پش کرتا جوڑا پہنو گی۔" بڑی اماں کے طنزیہ انداز پر اس نے وہ سوٹ بھی بیڈ پر پھینکا۔ جہاں پہلے ہی ریجیکٹ کیے گئے کپڑوں کا ایک ڈھیر لگ چکا تھا۔

"یہ بلیک شیفون کا سوٹ پہن لوں....؟" اس نے مایوس ہو کر ایک اور سوٹ نکالا۔

"بھئی' خوشی کے موقعے پر یہ سیاہ رنگ مجھے تو بالکل پسند نہیں۔" بڑی اماں کے اس اعتراض پر وہ جھنجلا اٹھی۔

"آپ سے تو مشورہ کرنا ہی فضول ہے...." اس نے غصے سے وارڈ روب کا دروازہ بند کیا' اندر داخل ہوتے ارصم نے یہ منظر حیرت سے دیکھا۔

"لو بھئی' یہ تمہارا چہیتا آ گیا' اسی سے مشورہ کر لو۔" بڑی اماں جو پہلے ہی وہاں سے کھسکنے کا کوئی موقع ڈھونڈ رہی تھیں۔ ارصم کو دیکھ کر کھل اٹھیں۔ ارصم نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے اوریدا کی طرف دیکھا جو کپڑوں کے ڈھیر پر منہ بنائے بیٹھی ہوئی تھی۔

"یہ لنڈا بازار کس خوشی میں سجایا ہوا ہے....؟" ارصم نے رنگ برنگی شرٹس اور جینز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ہلکے پھلکے انداز میں پوچھا۔

"بھئی' یہ تو تم اوریدا ہی سے پوچھو' جسے تمہارے ڈنر میں پہننے کے لیے کوئی جوڑا نہیں مل رہا۔" بڑی اماں نے اٹھتے ہوئے بے زاری سے کہا۔

"میرے پاس کچھ بھی ڈھنگ کا نہیں ہے۔" اوریدا کے منہ بنانے پر بڑی اماں جاتے جاتے پلٹیں اور تعجب بھرے انداز سے ناک پر انگلی رکھ کر اوریدا کی جانب دیکھا۔ جو اس وقت منہ پھلائے بیٹھی تھی۔

"اللہ جھوٹ نہ بلوائے' پورا کمرہ کپڑوں سے ابل رہا ہے اور صاحبزادی کو کچھ بھی ڈھنگ کا نہیں لگ رہا۔ توبہ توبہ قرب قیامت کی نشانیاں ہیں۔" وہ کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کمرے سے نکل گئیں۔ اوریدا نے ہاتھ میں پکڑی پنک کلر کی شرٹ غصے سے بیڈ پر پھینکی اور اٹھ کر کاؤچ پر بیٹھ گئی۔ ارصم نے مسکرا کر اسے دیکھا اور کمرے کی کھڑکی کے پاس آن کھڑا ہوا۔

"اب تم میرے اتنے اہم ڈنر پر پرانا ڈریس پہنو گی

کیا؟" وہ بہت سنجیدہ انداز سے اس سے پوچھ رہا تھا۔
"کیا مطلب....؟" وہ الجھی۔
"چلو، کسی اچھے سے مال سے شاپنگ کرکے آتے ہیں، مجھے بھی ایک دو ڈریس شرٹس لینی ہیں۔" ارصم کے مشورے پر وہ فوراً" پرجوش ہوکر کھڑی ہوئی۔
"ارے یہ آئیڈیا میرے ذہن میں کیوں نہیں آیا۔" وہ جلدی جلدی کپڑوں کو اٹھا کر باقاعدہ وارڈ روب میں پھینکنے لگی۔
"اوں ہوں.... اوریدا! ان کو ترتیب سے رکھو یار...." ارصم اس کے پھوہڑپن پر جھنجلا اٹھا، جبکہ وہ اطمینان سے اپنے کام میں مگن تھی۔
"مجھ سے یہ سب نہیں ہوتا، خود ہی ملازمہ کل سیٹ کردے گی۔" اس نے سب کچھ وارڈ روب میں ٹھونس دیا تھا، اب بڑے اطمینان سے اپنے بالوں میں برش کررہی تھی۔ اگلے ہی پانچ منٹ میں وہ ارصم کے ساتھ لاؤنج کی سیڑھیاں اتر رہی تھی۔ سامنے ہی بڑے ابا غضب ناک انداز میں ٹہل رہے تھے۔ وہ وہیں ٹھٹک کر پہلی سیڑھی پر رک گئی۔ دل ایک دم دہل کر رہ گیا تھا۔
"سمجھ کیا رکھا ہے تمہارے بیٹے نے، ساری دنیا پیسوں سے خرید لے گا...." وہ تلخ لہجے میں مزید گویا ہوئے۔ "مجھے پتا ہے بہت بڑا بزنس مین ہے وہ، لیکن اپنا پیسہ اپنی اولاد پر خرچ کرے، میرے ساتھ دوبارہ ایسی اوچھی حرکت کی تو اچھا نہیں ہوگا۔"
"میں فون کرکے پوچھتی ہوں اس سے...." بڑی اماں سخت گھبرائی ہوئی تھیں۔
"اتنی دور فون کرکے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے، اپنی پوتی صاحبہ سے پوچھ لیں۔ جن کو ذرا ذرا سی بات اپنے باپ تک پہنچانے کی عادت ہے۔" انہوں نے انتہائی غضب ناک انداز میں سیڑھیوں پر کھڑی اوریدا کی طرف دیکھا، جس کا رنگ فق ہوگیا تھا۔
"بڑے ابا! انکل تیمور کو اوریدا نے نہیں، میں نے بتایا تھا۔" ارصم فوراً" ہی معاملے کی تہہ تک پہنچا۔ اس کی بات پر بڑے ابا چونکے۔

"بہرحال یہ مہنگا فون اسے واپس بھجواؤ، مجھے کوئی ضرورت نہیں...." وہ تھوڑا سا نرم ہوئے۔
"لیکن میں نے ان کے سامنے یونہی ہلکا سا تذکرہ کیا تھا، مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس طرح آپ کو سیٹ بھجوادیں گے۔" ارصم نے محتاط سے انداز سے مزید وضاحت دی، بڑے ابا کا پارہ ایک دم ہی نیچے آیا اور وہ ایک سرد نگاہ اوریدا پر ڈال کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔
"کیا واقعی تم نے تیمور کو بتایا تھا کہ اوریدا کی وجہ سے ان کا موبائل ٹوٹ گیا ہے۔" بڑی اماں کو نہ جانے کیوں یقین نہیں آیا اور کچھ اوریدا کا حواس باختہ انداز انہیں اصل بات بتا رہا تھا۔
"ہاں ناں بڑی اماں...." وہ سیڑھیاں اتر کر ان کے کندھے پر بازو پھیلا کر اطمینان سے بولا۔
"لیکن تمہاری تیمور سے کیسے بات ہوگئی؟ وہ تو تمہیں کبھی کال نہیں کرتا۔" بڑی اماں ایک نکتہ نکال ہی لائی تھیں۔
"ہاں تو میں نے کب کہا، مجھے انہوں نے کال کی تھی۔" وہ صاف مکر گیا تو بڑی اماں کی آنکھوں میں شکوک کے رنگ ابھرے۔
"وہ تو اوریدا کو بار بار کال کررہے تھے، یہ محترمہ واش روم میں دروازہ بند کیے رو رہی تھیں، میں نے کال اٹینڈ کرلی اور ان کو اصل بات بتادی۔" ارصم نے مختصراً" لاپروا انداز میں بتایا۔ بڑی اماں کو نہ چاہتے ہوئے بھی یقین آہی گیا تھا۔
"تمہیں پتا تو ہے اپنے بڑے ابا کے مزاج کا، خوامخواہ تیمور سے تذکرہ کردیا۔" بڑی اماں ہلکا سا برا مان کر مزید بولیں۔ "باقی تیمور کے پاس جو آج کل پیسے ٹک نہیں رہے، اس کا تو میں علاج کرتی ہوں۔"
"تمہیں کیوں سکتہ ہوگیا ہے؟" گاڑی میں بیٹھتے ہی ارصم نے خوش گوار لہجے میں اوریدا کو چھیڑا۔ ساتھ ہی اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ کرکے آنسو گرنے لگے۔ ارصم بوکھلا سا گیا۔
"اوہ میرے خدا، اوریدا، تمہیں تو کسی نے کچھ

نہیں کہا تو تم کیوں رو رہی ہو۔" وہ پریشان ہوا۔

"اگر تم نہ ہوتے تو بڑے ابا نے تو آج مجھے گولی ہی مار دینی تھی۔" اوریدا نے روتے ہوئے اصل بات بتائی تو وہ بے ساختہ ہنس پڑا۔

"اوہ مائی گاڈ اوریدا! اگر کوئی چیز وقوع پذیر نہیں ہوتی تو تم کسی نہ کسی چیز کو فرض کرکے رونے کا بہانا ڈھونڈ ہی لیتی ہو۔ کیا بنے گا تمہارا۔" اس نے ٹشو اس کی جانب بڑھاتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کی۔

"مجھے کیا پتا تھا' وہ اتنا مائنڈ کر جائیں گے۔" اس نے آنکھیں صاف کرتے ہوئے رنجیدہ انداز میں کہا۔

"اگر تم انکل تیمور سے یہ بات کرنے سے پہلے مجھ سے مشورہ کر لیتیں تو میں تمہیں ہرگز یہ بے وقوفی نہ کرنے دیتا۔" ارصم بڑی مہارت سے گاڑی چلا رہا تھا۔

"میری سمجھ میں تو یہ نہیں آتا' آخر بڑے ابا' میرے پاپا سے اتنا چڑتے کیوں ہیں۔" اس نے ناراض سے انداز سے کہا' اسے بڑے ابا کی باتیں بہت بری لگی تھیں۔

"مجھے پتا ہے۔" ارصم کی لاپروائی پر اوریدا کو سخت بے چینی لاحق ہوئی۔

"رئیلی.....؟ مجھے بھی بتاؤ نا پلیز۔" اس نے فوراً اصرار کیا تو وہ مسکرا دیا۔

"ایک دفعہ آغا جی بتا رہے تھے کہ بڑے ابا کو بہت شوق تھا کہ وہ انکل تیمور کو میڈیکل کی فیلڈ میں بھجواتے' لیکن وہ ضد کرکے زبردستی بزنس پڑھنے باہر چلے گئے' اس کے بعد سے ان کے بڑے ابا کے ساتھ تعلقات سخت کشیدہ ہیں۔" ارصم نے سنجیدہ انداز میں بتایا جسے سنتے ہی اوریدا نے برا سا منہ بنایا۔

"یہ تو کوئی ایسی خاص بات نہیں' جس پر وہ اپنے اکلوتے بیٹے سے ناراض ہو کر بیٹھ جائیں۔"

"تمہیں پتا تو ہے بڑے ابا کے مزاج کا' جو چیز ان کے ذہن میں سما جائے' وہ ساری زندگی نہیں نکلتی۔"

"تمہاری ممی بھی تو ایسی ہی ہیں۔" اوریدا کے یاد دلانے پر وہ بے اختیار ہنسا' اس نے اوریدا کے بے ساختہ انداز کو انجوائے کیا تھا۔

"تو میں نے کب کہا کہ وہ ایسی نہیں ہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھ رہا تھا جس کا موڈ اب ٹھیک ہو چکا تھا' وہ مزاجاً بالکل بچوں کی طرح تھی' اس کو غصہ جتنی تیزی سے آتا تھا' اتنی ہی تیزی سے اتر بھی جاتا تھا۔ اب بھی وہ بڑے ابا کی بات کو بھول بھال چکی تھی۔

"دھیان سے گاڑی چلاؤ' کہیں ٹھوک مت دینا....." اوریدا نے اسے بے ساختہ ٹوکا۔ جس کی توجہ بار بار بائیں جانب بیٹھی اوریدا کی طرف ہو رہی تھی۔

"تمہاری طرح اناڑی ڈرائیور تھوڑا ہوں۔" اس نے اوریدا کو چھیڑا لیکن چھیڑ اس وقت خاصی مہنگی پڑی' کیونکہ اس کے آگے چلنے والی سفید کرولا نے ایک دم ہی بریک لگائی جس کے نتیجے میں ارصم کو بھی فوراً پوری قوت سے بریک لگانا پڑی' اوریدا جو اپنے دھیان میں بیٹھی تھی۔ اس اچانک آفت پر اپنا توازن سنبھال نہ سکی اور اس کا سر ڈیش بورڈ سے جا ٹکرایا۔

"آئی ایم سوری یار! میرا کوئی قصور نہیں....." ارصم جو سیٹ بیلٹ کی وجہ سے محفوظ رہا تھا' گھبرا کر اوریدا کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ اوریدا دائیں ہاتھ سے اپنا ماتھا سہلاتے ہوئے اسے غصے سے گھور رہی تھی۔

"ابھی تو تھوڑی دیر پہلے بڑے ایکسپرٹ ہونے کے دعوے کر رہے تھے۔ دیکھ لیا نا بڑے بول کا انجام۔" اوریدا نے بےزاری سے اسے یاد دلایا۔

"ایکسپرٹ ہی ہوں جو فاسٹ رو میں ایمرجنسی بریک کے بعد گاڑی کو سنبھال لیا' ورنہ اب تک تو اگلی گاڑی کا بمپر اور بتیاں تو ٹوٹ چکی ہوتیں۔" اس نے مسکراہٹ دبا کر فوراً اپنی صفائی دی اور گاڑی اسٹارٹ کی۔

"یہ اگلے والے کو کون سی مصیبت پڑ گئی تھی جو اس طرح اچانک بریک لگا دی؟" اوریدا نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

"اس کی گاڑی کے نیچے بلی کا بچہ آنے لگا تھا۔" ارصم نے مسکرا کر اصل بات بتائی' جسے سن کر اسے

اپنی پالتو کیٹی فوراً" ہی یاد آ گئی۔

"پتا نہیں کیٹی کو ماہیر ٹائم سے دودھ دیتا ہو گا کہ نہیں۔" اوریدا کو ایک نئی پریشانی نے گھیر لیا۔ ارصم نے ایک لمبی سانس بھری۔

"اب یہ بیٹھے بٹھائے تمہیں اپنی کیٹی کہاں سے یاد آ گئی؟" اس نے مسکرا کر پوچھا۔

"وہ مجھے بھولی ہی کب تھی' کتنا کہا تھا پاپا کو' اسے بھی میرے ساتھ پاکستان جانے دیں' لیکن پاپا مانے ہی نہیں۔" اوریدا نے اداس ہونے کے لیے ایک نئی وجہ ڈھونڈ ہی لی تھی۔

"شکر کرو کہ تم اسے لے کر نہیں آ گئیں' ورنہ پورے گھر میں ایک طوفان برپا ہو جاتا۔" ارصم نے خوش گوار لہجے میں کہا تو اوریدا نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا' کیونکہ وہ واقعی ہی نہیں سمجھی تھی۔

"ارے بابا' بڑی اماں کو ان کتے بلیوں سے سخت چڑ ہے۔" ارصم نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔

"ایک تو مجھے پاپا کے پیرنٹس سمجھ میں نہیں آتے' ان دونوں کو کوئی چیز اچھی بھی لگتی ہے۔" وہ جھنجلا کر مزید گویا ہوئی۔ "جب سے یہاں آئی ہوں' صبح و شام یہی سننے کو ملتا ہے' بڑے ابا کو یہ پسند نہیں' بڑی اماں کو فلاں چیز سے چڑ ہے' ارے بابا تم لوگ کسی کو جینے بھی دو گے کہ نہیں؟"

"مائی گاڈ اوریدا! تمہاری زبان کتنی لمبی ہے' بڑی اماں نے یہ تمہارے سنہری ارشادات سن لیے تو ایک منٹ میں دماغ ٹھکانے لگا دیں گی۔" ارصم نے گاڑی پارکنگ میں کھڑی کرتے ہوئے اسے شرارتی انداز سے ڈرایا۔

"ہونہہ۔۔۔ مائی فٹ۔۔۔" وہ حقیقتاً" تپ گئی۔ جھنجلا کر گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر گئی۔ دونوں شاپنگ مال کے سامنے تھے۔ ارصم نے اس کی بات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا۔ ایک گھنٹے میں ارصم تو اپنے لیے شرٹس پسند کر کے خرید چکا تھا' لیکن اوریدا کی ناک کے نیچے کوئی بھی ڈریس نہیں آ رہا تھا۔ وہ کئی دکانوں کا وزٹ کر چکی تھی۔ اب تو ارصم کو بھی بوریت ہونے لگی تھی۔

"بس فائنل ہو گیا۔" ارصم آگے بڑھا اور رائل بلیو کلر کی لانگ شرٹ جس کے چاکوں پر چھوٹے چھوٹے سلور کلر کے نگ لگے ہوئے تھے اور ساتھ میں چوڑی دار پاجامہ تھا' وہ لے کر کاؤنٹر کی طرف بڑھا۔

"مجھے کچھ اور بھی تو دیکھنے دو نا۔" اوریدا نے ہلکی سی ضد کی تو ارصم نے ناراض سے انداز سے اس کی طرف دیکھا۔ "تمہیں میری پسند پر اعتبار نہیں ہے اوریدا؟" اس کے سنجیدہ انداز پر اوریدا گھبرا سی گئی۔

"میں تو ویسے ہی کہہ رہی تھی۔" اس نے جلدی سے بیان بدلا اور فوراً" کاؤنٹر سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔ ارصم کریڈٹ کارڈ سے پے منٹ کر رہا تھا۔ اس کے خاموش انداز کو ارصم نے فوراً" نوٹ کیا۔

"تم پر رائل بلیو کلر بہت سوٹ کرتا ہے۔" ارصم جیسے ہی شاپ سے باہر نکلا' اس نے سرسری انداز سے اوریدا کو اطلاع دی تھی جسے سنتے ہی اس کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہوئیں۔ وہ جو پنک کلر کے ایک سوٹ پر نظریں جمائے کھڑی تھی' اس کی نگاہیں اب شاپنگ مال کے ڈسپلے میں لگے ہوئے کپڑوں میں صرف بلیو کلر پر اٹھ رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"عدینہ باجی! ایک بات کہوں؟" وہ جو آنکھیں بند کیے اپنی پسندیدہ دنیا میں عبداللہ کے ساتھ گھوم رہی تھی' مونا کی بات پر چونک اٹھی۔ جلدی سے آنکھیں کھول کر سامنے کھڑی مونا کی طرف دیکھا' جو دھلے ہوئے کپڑوں کو تہہ کر رہی تھی۔

"ہاں کہو۔۔۔" اس نے اپنی بند ہوتی آنکھوں کو بمشکل کھولتے ہوئے لاپروائی سے کہا۔ اس پر غنودگی کا غلبہ طاری تھا۔

"آپ نے آج آپا صالحہ کے ساتھ اچھا نہیں کیا۔" مونا نے محتاط سے انداز سے کہا تو وہ چونک اٹھی' اتنا تو

اسے بھی پتا تھا، مونا کے ساتھ اس کی لاکھ دوستی سہی، لیکن وہ آپا صالحہ کے معاملے میں اسی کی طرح حساس تھی۔

"میں نے ان کے ساتھ کیا، کیا ہے؟" عدینہ کو دوپہر والی بات بالکل بھی یاد نہیں تھی۔

"دوپہر میں جو آپ ان کے ساتھ بدتمیزی کر رہی تھیں۔" مونا نے صاف گوئی سے کہا تو عدینہ پھیکے سے انداز سے مسکرا دی۔

"سچ پوچھو تو مونا! مجھے آج کل آپا کی طرف دیکھتے ہی نہ جانے کیوں غصہ آنے لگتا ہے۔" عدینہ نے عجیب بات کی، مونا کپڑوں کو تہہ کرنا بھول کر بالکل اس کے پاس آن بیٹھی۔

"وہ کیوں باجی؟" وہ ایک دم پریشان ہوئی، پہلا خیال تو یہی آیا کہ شاید کسی حاسد نے عدینہ پر کوئی تعویذ دھاگا کروا دیا ہے۔

"ان کی طرف دیکھ کر مجھے خیال آتا ہے کہ ان کی وجہ سے عبداللہ اتنا پریشان ہو کر یہاں سے گیا تھا۔" اس کی آنکھوں میں بے ساختہ ہی آنسو آئے۔

"آپا کو تھوڑی پتا تھا کہ وہ کبھی بھی واپس نہیں آئیں گے۔" مونا نے آپا کی طرف سے اس کا دل صاف کرنا چاہا۔

"لیکن انہوں نے تو اپنی طرف سے معاملہ ختم کر کے ہی بھیجا تھا نا۔" وہ واقعی دل سے آپا سے خفا تھی۔ مونا کو اس کی باتیں پریشان کر رہی تھیں۔ وہ جلدی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر نرمی سے بولی۔ "لیکن عدینہ باجی اسی میں اللہ کی کوئی مصلحت ہوگی۔"

"مجھے ... میری سمجھ میں نہیں آتا مونا، ہم لوگ اپنے غلط فیصلوں کو اللہ کی مصلحتوں کا نام کیوں دینے لگتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت دی ہے، وہ اپنے لیے خود اچھا یا برا فیصلہ کرتا ہے۔ ویسے سچ پوچھو تو آپا کا اس سے اچانک یوں شادی کے لیے کہنا مجھے بھی بہت عجیب لگا تھا۔" وہ مونا کے سامنے بے دھڑک ہو کر اپنے دل کی بات کہہ دیتی تھی۔

"اب اتنی بھی کوئی انوکھی بات نہیں کہہ دی تھی آپا نے۔" مونا نے ہلکا سا منہ بنایا۔ "اکثر لوگوں کی شادیاں پڑھائی کے دوران ہو ہی جاتی ہیں۔"

"لیکن انہیں کم از کم مجھ سے تو پوچھنا چاہیے تھا۔" عدینہ کی آنکھوں میں شکوہ جھلکا۔

"آپ نے بھی کون سا مان جانا تھا۔" مونا بھی اس کی رگ رگ سے واقف تھی۔

"کہتی تو تم بالکل ٹھیک ہو۔" عدینہ اس کی بات سے فوراً" ہی متفق ہوئی تو مونا نے ہلکے سے توقف کے بعد کہا۔ "آپ اپنے آپ کو کیوں سزا دے رہی ہیں، سارا سارا دن کھانا نہیں کھاتیں اور آئینے میں شکل دیکھی ہے اپنی، چہرہ کتنا بے رونق ہو گیا ہے۔"

"میں پہلے کون سا ہار سنگھار کرتی تھی۔" عدینہ نے یاد دلایا۔

"آپ کا چہرہ کسی بھی قسم کے ہار سنگھار کے بغیر ہی خوب دمکتا تھا۔" مونا نے مسکرا کر یاد دلایا تو عدینہ افسردہ سے انداز سے گویا ہوئی۔

"جب کوئی لڑکی کسی سے محبت کرتی ہے نا تو اس کا چہرہ کسی بھی قسم کے میک اپ کا محتاج نہیں رہتا۔ اپنے محبوب کی چاہت سے بھرپور ایک نظر اس کے چہرے پر گلابی پن، ہونٹوں پر سرخی اور آنکھوں میں حیا کا کاجل لگانے کو کافی ہوتی ہے۔"

"پتا نہیں آپ اتنی مشکل باتیں کیسے کر لیتی ہیں۔" مونا نے فوراً" ہی ہار مان لی۔

"عبداللہ کی امی واپس آگئیں ...؟" عدینہ نے ہلکا سا سنبھل کر وہ سوال کیا جو وہ کافی دنوں سے کرنے کا سوچ رہی تھی۔

"وہ اب کبھی واپس نہیں آئیں گی۔" مونا کے لہجے میں رنجیدگی کا عنصر غالب تھا۔

"بالکل اپنے بیٹے کی طرح، جیسے وہ کبھی لوٹ کر نہیں آئے گا۔" عدینہ کا لہجہ بھیگا، اس نے ایک دفعہ پھر آنکھیں بند کر لیں۔ چہرہ کرب کے گہرے احساس سے بجھ گیا تھا۔ اس کا غم کسی طور بھی کم ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔

"مونا! میری ایک بات مانوگی؟" عدینہ کا لہجہ پراسرار ہوا۔ مونا نے حیرانگی سے اس کی طرف دیکھا جو آنکھیں موندے لیٹی تھی۔

"عدینہ باجی! آج تک آپ کی کوئی بات ٹالی ہے۔" مونا بے بسی کے احساس سے مسکرائی' اسے واقعی ہی عدینہ سے بڑی گہری محبت تھی۔

"کسی دن جب بچوں کو چھٹی ہوگی' تم اور میں عبداللہ کے کمرے میں جائیں گے۔"

اس کی بات پر مونا حیران ہوئی۔

"تم میرے ساتھ چلوگی نا؟"

"مدرسے والے کمرے میں؟" مونا نے تعجب بھرے انداز سے پوچھا۔

"ہاں..." اس نے اثبات میں سرہلادیا۔

"کوئی بات نہیں' چلے چلیں گے۔" اس نے فوراً تسلی دی۔

"لیکن آپا کو پتا چل گیا تو...؟" عدینہ نے اسے ڈرایا تو وہ کچھ سوچ کر مسکرادی۔

"آپا سے اجازت لے کر ہی جائیں گے۔" مونا کی بات پر اس نے آنکھیں کھول کر اس کی طرف یوں دیکھا جیسے اس کی خرابی دماغ کا یقین آگیا ہو۔

"وہ تو قیامت تک اجازت نہیں دیں گی۔" عدینہ نے مایوس ہو کر کروٹ لے لی۔

"ارے عدینہ باجی! آپا پرسوں ہی کہہ رہی تھیں کہ لڑکوں والی سائیڈ کی تفصیلی صفائی کروانی ہے' بس میں انہیں آج ہی مشورہ دیتی ہوں کہ کل بچوں کو دس سے ایک بجے تک چھٹی دے دیں' میں لڑکیوں کو لے کر صفائی کروا دوں گی۔" مونا نے اپنے زرخیز دماغ سے ایک ترکیب نکال ہی لی تھی۔ جسے سنتے ہی عدینہ کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"اب آپ پھر سو رہی ہیں کیا۔" وہ ہلکا سا جھنجلائی۔

"ہاں' بہت نیند آرہی ہے۔" عدینہ جو کہ آنکھیں زبردستی کھولنے کی کوشش میں نڈھال ہوگئی تھی۔ اب نیند کے آگے بے بس ہو چکی تھی۔ مونا کچھ دیر تو اسے دیکھتی رہی اور پھر تنگ آکر کمرے سے نکل گئی' جاتے جاتے لائٹ بھی آف کرگئی۔

مغرب کا وقت تھا' جب آپا صالحہ نے اپنے کمرے سے باہر قدم نکالا اور برآمدے میں لگا انرجی سیور روشن کیا۔ وہ اس وقت پورے گھر کی بتیاں جلا دیتی تھیں۔ کچن کی طرف جاتے ہوئے انہوں نے اپنی بیٹی کے کمرے میں جھانکا' اندر گھپ اندھیرا تھا۔

"ہزار دفعہ سمجھایا ہے' مغرب کے وقت گھر میں اندھیرا نہیں کرتے۔" انہوں نے جھنجلا کر عدینہ کے کمرے کی لائٹ روشن کی اور انہیں یہ دیکھ کر دھچکا لگا کہ وہ خاصی گہری نیند میں تھی۔ ان کے بولنے اور لائٹ کے روشن ہونے پر بھی اس کی نیند نہیں ٹوٹی تھی۔

وہ آہستگی سے اس کے پلنگ کے پاس چلی آئیں اور اس کی زمین پر لٹکتی چادر اٹھا کر اس کے اوپر دی۔ ایک چھوٹا کشن زمین پر گرا ہوا تھا' وہ اٹھا کر پلنگ پر رکھا۔ عدینہ کے بیڈ کی سائیڈ میز پر میڈیکل کی کچھ کتابیں رکھی ہوئی تھیں جنہیں اس نے پچھلے کئی دنوں سے ہاتھ ہی نہیں لگایا تھا' پاس ہی چائے کا خالی کپ اور ایک گلاس پانی کا رکھا ہوا تھا۔

آپا صالحہ نے پہلے سوچا کہ وہ عدینہ کو اٹھا کر مغرب کی نماز پڑھنے کی تلقین کریں کیونکہ فضا میں اذانوں کی آوازیں گونج رہی تھیں' پھر نہ جانے کیا سوچ کر انہوں نے اپنا ارادہ ملتوی کردیا۔ میز پر پڑے برتنوں کو اٹھانے کے لیے انہوں نے جیسے ہی ہاتھ بڑھایا' کتابوں کے درمیان ٹیبلٹس کا ایک چھوٹا سا پیکٹ انہیں نظر آیا۔

"یہ کیا ہے...؟" انہوں نے حیرانگی سے وہ پیکٹ اٹھایا اور میڈیسن کا نام پڑھتے ہی انہیں کرنٹ سا لگا' وہ سلیپنگ پلز تھیں۔

انہوں نے گھبرا کر عدینہ کی طرف دیکھا جو دنیا و مافیہا سے بے نیاز سو رہی تھی۔ وہ سمجھ گئی تھیں کہ یہ گہری نیند ان ہی ادویات کی بدولت تھی۔ کسی میڈیکل کی اسٹوڈنٹ کے پاس ان ٹیبلٹس کا ہونا اتنی عجیب بات نہیں تھی' عجیب بات تو یہ تھی کہ انہیں اس چیز کی خبر نہیں ہوسکی کہ ان کی بیٹی مصنوعی نیند کی

عادی ہو چکی ہے۔

"قسم اللہ پاک کی آپا! مجھے نہیں پتا' عدینہ باجی نے یہ دوائی کس سے منگوائی تھی؟" مونا نے گھبرا کر آپا صالحہ کو جواب دیا' اس کی بری طرح سے شامت آئی ہوئی تھی۔ آپا صالحہ اور بے بے نے سب سے پہلے اسی کو پکڑا تھا۔

"غضب خدا کا' وہ یہ میڈیسن کھا کر سارا سارا دن ٹن پڑی رہتی ہے اور تم نے ایک دفعہ بھی مجھے نہیں بتایا۔" آپا کا غصہ کسی طور بھی کم ہونے میں نہیں آرہا تھا۔ انہوں نے اپنی ساس کو بھی ساری بات بتادی تھی جو خود بھی تاسف بھرے انداز سے مونا کو دیکھ رہی تھیں۔

"دیکھیں آپا' ایسی میڈیسن یہاں اپنے گاؤں سے تو ملنے سے رہیں۔" مونا نے پریشان انداز سے ان کی توجہ دوسری جانب مبذول کروائی۔

"تمہارا کیا خیال ہے عدینہ' یہ شہر سے لے کر آئی ہے۔" وہ فوراً" ہی اس کی بات کو سمجھیں۔

"ظاہری سی بات ہے۔" اس نے لاپروائی سے کندھے اچکائے۔ آپا صالحہ کے چہرے کی رنگت متغیر ہوئی۔

"اچھا تم جاؤ' جاکر عدینہ کو اٹھاؤ اور فریج سے آٹا نکال کر چولہے کے پاس رکھو۔" بے بے نے سب سے پہلے مونا کو منظر سے غائب کیا' جیسے ہی وہ کمرے سے نکلی وہ فوراً" آپا صالحہ کی طرف متوجہ ہوئیں جو پریشان سے انداز سے اپنا سر دونوں ہاتھوں سے پکڑے بیٹھی تھیں۔

"میں نے کہا تھا ناکہ تم فوراً" عدینہ سے بات کرکے اسے شہر بھجواؤ۔" بے بے نے سنجیدگی سے اپنی بہو کو مخاطب کیا۔

"وہی بات کرنے تو اس کے کمرے میں گئی تھی۔" انہوں نے جلدی سے کہا۔

"اس کا مصروف ہونا بہت ضروری ہوگیا ہے' ورنہ تو وہ اسی طرح آدھا دن رو کر اور آدھا دن سو کر گزارے گی۔" بے بے نے منہ بنا کر سر جھٹکا' عدینہ کی اس حرکت نے انہیں بھی خاصا مایوس کیا تھا۔

"میں آج ہی اس سے صاف صاف بات کرتی ہوں۔" آپا صالحہ بے چین سے انداز سے کمرے میں ٹہلنے لگیں۔

"ذرا نرمی اور پیار سے بات کرنا' جوان اولاد سے سختی اچھی بات نہیں۔" بے بے نے کمرے سے نکلتے ہوئے انہیں نصیحت کی۔ جسے آپا صالحہ نے بہت غور سے سنا تھا' آج کل وہ اپنی ساس کے مشوروں پر خوب عمل کررہی تھیں۔

ایک گھنٹے بعد وہ پھر سے عدینہ کے کمرے میں تھیں۔ وہ اٹھ چکی تھی اور اس وقت واش روم میں تھی۔ وہ اس کے بیڈ پر آکر بیٹھ گئیں۔ اندر سے پانی گرنے کی آواز مسلسل آرہی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ شاور لے رہی ہو۔ انہوں نے وقت گزاری کے لیے سائیڈ میز پر رکھی اناٹومی کی کتاب اٹھائی' جیسے ہی انہوں نے اسے کھولا' ایک چھوٹی سی پاسپورٹ سائز تصویر اس میں سے نکل کر زمین پر جاگری۔ آپا صالحہ نے حیرانی سے اس تصویر کو دیکھا اور فوراً" جھک کر زمین سے اٹھالیا جیسے ہی انہوں نے تصویر کو سیدھا کیا' انہیں چار سو بیس واٹ کا کرنٹ لگا۔ وہ بوکھلا کر کھڑی ہوئیں' اناٹومی کی کتاب جو ان کی گود میں تھی' اچھل کر زمین پر جاگری' وہ خوف زدہ نگاہوں سے ہاتھ میں پکڑی اس بلیک اینڈ وائٹ تصویر کو دیکھ رہی تھیں جیسے کوئی بہت بڑا بھوت دیکھ لیا ہو۔ وہ اڑتے ہوئے عدینہ کے کمرے سے نکلی تھیں۔ ان کا دماغ بھک کرکے اڑ چکا تھا۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھیں کہ یہ تصویر انہیں عدینہ کی کتابوں سے بھی مل سکتی ہے۔

✲ ✲ ✲

"تم شوبز میں آنے کا ارادہ ملتوی کیوں نہیں کردیتیں شانزے۔" سرمد نے اس دن اسے لنچ کے لیے بلا رکھا تھا۔ شانزے کو ڈراپ کرنے کے بعد دونوں کی اچھی خاصی بے تکلفی اور دوستی ہوگئی تھی' جب سے شانزے کو پتا چلا تھا کہ اسے پہلا ایڈ بھی سرمد

کی سفارش سے ملا ہے' اس کے دل میں خود بخود اس کے لیے نرم گوشہ بن گیا تھا۔

"یہ تم مجھ سے کہہ رہے ہو سرمد.....؟" شانزے کو دھچکا ہی تو لگا تھا۔

"ہاں' میں تم سے کہہ رہا ہوں کہ تم شوبز کو چھوڑ کر کوئی اور جاب اپنے لیے تلاش کرو' میں اس سلسلے میں' تمہاری ہیلپ کر سکتا ہوں۔"

"تم نے یہ فضول بات کرنے کے لیے مجھے یہاں بلایا ہے؟" وہ ٹھیک ٹھاک برا مان گئی۔

"یار! میں نے کوئی ایسی بری بات بھی نہیں کہہ دی۔" سرمد نے حیرانی سے اس کا بے زار چہرہ دیکھا۔

"جو بھی ہے' میں شوبز کو چھوڑنے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔" شانزے نے صاف گوئی سے کہا۔

"لیکن تم ابھی اس میں ان ہی کہاں ہوئی ہو.....؟" سرمد نے اسے آئینہ دکھایا۔

"کبھی نہ کبھی میرے لیے بھی کوئی راستہ کھل ہی جائے گا۔" وہ ابھی بھی پر امید تھی۔ سرمد نے اس موضوع پر مزید بات کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا۔

"ڈاکٹر کے پاس دوبارہ گئی تھیں؟" سرمد نے اس کے ماتھے پر لگے ٹانکوں کو دیکھتے ہوئے ہمدردی سے پوچھا' شانزے کا دل ایک دم ہی کھانے سے اچاٹ ہو گیا' اس نے ہاتھ میں پکڑا چمچ پلیٹ میں رکھ دیا۔

"ہوں....." وہ افسردہ ہوئی۔ "وہ کہتا ہے کہ کم سے کم بھی دو ماہ لگیں گے پھر جا کر یہ نشانات ختم ہوں گے۔" سرمد اس کی پریشانی اور افسردگی کو سمجھ سکتا تھا۔

"یہ تو واقعی پریشان کن بات ہے۔" وہ سنجیدہ ہوا اور پھر چونک کر اسے دیکھا جو اب کھانا بالکل نہیں کھا رہی تھی۔

"شانزے! تم پلیز کھانا تو کھاؤ....." سرمد نے اسے ٹوکا۔

"پتا نہیں کیوں' ایک دم ہی ساری بھوک اڑ گئی ہے۔" اس نے بے بس انداز سے کہا۔

"تم چیزوں کو اپنے سر پر سوار کیوں کر لیتی ہو لڑکی! تمہارے گھر والے تمہیں سمجھاتے نہیں ہیں' ایسی حرکتیں چھوڑ دو۔" سرمد نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔

"میرے گھر والے ہی نہیں ہیں تو مجھے کون سمجھائے گا۔" اس نے استہزائیہ انداز سے اپنا مذاق خود اڑایا۔ سرمد الجھ سا گیا۔

"کیا تم نے شوبز کی خاطر اپنا گھر بار سب کچھ چھوڑ دیا۔" سرمد کو اندازہ تھا کہ لڑکیاں اس جنون میں بہت کچھ چھوڑنے پر تیار ہو جاتی ہیں۔ اس کی بات پر شانزے کھلکھلا کر ہنسی اور ہنستی ہی گئی۔

"اس میں اتنا ہنسنے کی کیا بات ہے....." وہ ہلکا سا برا مان گیا۔

"اس لیے کہ میں اکلوتی ہوں اور میری پیدائش کے فوراً بعد میرے والدین کے درمیان علیحدگی ہو گئی تھی۔ اس کے بعد بابا کی ڈیتھ ہو گئی اور ماما شاید اپنے میکے چلی گئیں اور انہوں نے دوبارہ مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔" اس نے اپنی زندگی کے دردناک حصے کو اتنے عام اور سرسری سے لہجے میں بتایا کہ سرمد کھانا کھانا بھول کر اسے حیرت سے دیکھنے لگا۔

"تو تمہاری پرورش کس نے کی؟" اس نے بے تابی سے پوچھا۔

"میری پھپھو اور دادی نے' لیکن اب دادی کی بھی ڈیتھ ہو چکی ہے۔" شانزے نے چاول اپنی پلیٹ میں نکالے۔ اس کے چہرے پر اس قدر لاپروائی تھی کہ سرمد کو لگا جیسے وہ اپنے بارے میں نہیں بلکہ کسی اور کے بارے میں بتا رہی ہو۔

"اس کا مطلب ہے' تمہارے پاس بلڈ ریلیشن کے نام پر کوئی رشتہ نہیں' میرا مطلب ہے' بہن یا بھائی....." سرمد کو حقیقتاً اس پیاری سی لڑکی سے ہمدردی محسوس ہوئی۔ ویسے بھی اس لڑکی میں کوئی ایسی بات تھی جو دیکھنے والے کو اٹریکٹ کرتی تھی۔

"ہاں کہہ سکتے ہیں' لیکن سچ پوچھیں تو مجھے ایسی کوئی کمی محسوس بھی نہیں ہوتی۔" سرمد کو اس کے لہجے سے پتا چل گیا تھا کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہی۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہے' ایسی چیزوں کو ذہن پر

سوار کرنے سے کچھ ملتا بھی نہیں ہے' الٹا دماغ ہی خراب ہوتا ہے۔" سرمد نے سے دلاسا دیا۔

"اور میرا تو پہلے ہی اچھا خاصا دماغ خراب ہے' یقین نہیں آتا تو سارے ہوسٹل کی لڑکیوں سے پوچھ لیں۔" اس کے شرارتی انداز پر سرمد بے ساختہ ہنس پڑا۔ دونوں کالج بڑے اچھے ماحول میں ہوا تھا۔ سرمد اسے ہوسٹل تک واپس چھوڑنے آیا تھا۔ وہ اس کے ساتھ گاڑی میں تھی۔

"شانزے! ایک بات کہوں' اگر تم مائنڈ نہ کرو....." اس نے فوراً" چونک کر سرمد کا چہرہ دیکھا' جس پر ہلکی سی جھجک تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ کچھ کہنا چاہتا ہو اور دل ہی دل میں لفظوں کو ترتیب دے رہا ہو۔ شانزے کو ایک لمحے میں محسوس ہوا کہ وہ اس سے کوئی خاص بات کرنے جارہا ہے۔

"جی کہیں....." اسے اندازہ تھا کہ وہ کیا کہنے جارہا ہے' جو عموماً" اکثر لڑکے اس کی طرف دیکھ کر بے ساختہ کہتے تھے کہ شانزے تم مجھے اچھی لگتی ہو' مجھے تم سے محبت ہوگئی ہے' وغیرہ وغیرہ' لیکن شانزے کی زندگی میں ایسی چیزوں کی کوئی اہمیت نہیں تھی اس لیے وہ انہیں اپنے ذہن پر سوار نہیں کرتی تھی۔

"کیا بات ہے سرمد! آپ بول کیوں نہیں رہے؟" شانزے اسے حد درجہ کنفیوز دیکھ کر پریشان ہوئی۔

"مجھے ڈر ہے کہ کہیں تم میری بات کا کوئی غلط مطلب نہ لے لو۔" وہ الجھن بھرے انداز سے گویا ہوا۔

"ڈونٹ وری' ایسا نہیں ہوگا۔" شانزے نے اسے تسلی دی' ویسے بھی یہ لڑکا اسے خاصا پر خلوص اور بے ضرر سا محسوس ہوا تھا۔ اس کے ساتھ وقت گزارتے ہوئے اسے ایک دفعہ بھی کوفت یا بے زاری کا احساس نہیں ہوا تھا۔

"ایسا ہے شانزے! مجھے نہیں معلوم کہ اللہ نے تمہیں خونی رشتوں سے محروم کیوں رکھا' اس میں اس کی کیا مصلحت تھی؟ لیکن زندگی میں کبھی خود کو مشکل میں محسوس کرو' کسی بھی قسم کی پریشانی ہو تو ہمیشہ یاد رکھنا کہ سرمد نام کا ایک ایسا لڑکا ہے جسے اللہ نے بے شک تمہارا سگا بھائی نہیں بنایا' لیکن وہ کبھی بھی اس سے کم ثابت نہیں ہوگا۔" وہ اس کے سر پر ہاتھ رکھے اسے ایک نئے رشتے سے متعارف کروا رہا تھا۔

"جی....." شانزے نے بوکھلا کر اسے دیکھا' اس کی آنکھوں میں اس کے لیے اس قدر محبت اور اپنائیت تھی کہ شانزے کو اپنا دل ممنونیت کے گہرے احساس سے بھرتا ہوا محسوس ہوا۔ اس کا دل بھر آیا۔ وہ سخت حیرت اور بے یقینی سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

"عدینہ باجی! آپ کو آپا صالحہ اپنے کمرے میں بلا رہی ہیں۔" عشاء کی نماز کے بعد مونا نے اسے آپا کا پیغام دیا تو وہ چونک گئی۔ وہ جو اس وقت اپنی ڈائری کھولے اپنا کتھارسس کرنے میں مصروف تھی۔ اس نے فوراً" ہی ڈائری بند کی۔

"کہاں پر ہیں وہ.....؟" عدینہ نے سرسری سے انداز سے مونا کا حد درجہ سنجیدہ چہرہ دیکھا۔

"بے بے کے کمرے میں آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔ لگتا ہے کہ کوئی سیریس بات کرنی ہے۔" مونا نے اسے ساتھ ہی خبردار کیا۔

"عبداللہ کی موت کے بعد اب مجھے کوئی بھی چیز سیریس نہیں لگتی۔" وہ تلخ لہجے میں گویا ہوئی اور ساتھ ہی چپل پہن کر کھڑی ہوگئی۔ مونا نے حیرانی سے اسے دیکھا' آج کل وہ ضرورت سے زیادہ بے دھڑک ہو کر بولنے لگی تھی' اللہ جانے کون سی ایسی چیز تھی جو اسے بولنے پر اکساتی تھی۔

"پلیز باجی! آپا کچھ بھی کہیں' خاموشی سے سن لیجئے گا۔" مونا نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے التجائیہ انداز میں درخواست کی۔

"کیا اب بھی کچھ کہنے کو باقی رہ گیا ہے؟" عدینہ نے اسے لاجواب کیا۔ مونا کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ اب بے بے کے کمرے میں داخل ہوئی۔ آپا صالحہ کے ہاتھ میں تسبیح تھی اور بے بے نے

اسے دیکھ کر قرآن پاک بند کردیا۔ عدینہ نے دونوں کو مشترکہ سلام کیا۔ آپا صالحہ کا موڈ خاصا خراب لگ رہا تھا۔ ایسے لگتا تھا جیسے وہ ضبط کے کڑے مراحل سے گزر رہی ہوں۔

"یہ میڈیسن تم کب سے استعمال کر رہی ہو....؟" آپا صالحہ نے اپنی طرف سے کمرے میں دھماکا کیا' لیکن عدینہ نے سپاٹ سے چہرے سے ان کو دیکھا تھا۔

"پچھلے ایک ماہ سے لے رہی ہوں۔" عدینہ کے سرسری انداز پر آپا کے تن بدن میں آگ سی لگ گئی۔

"وجہ پوچھ سکتی ہوں....؟" انہوں نے بمشکل خود کو مشتعل ہونے سے روکا۔

"ظاہر ہے' مجھے نیند نہ آنے کا پرابلم ہے' اسی وجہ سے لے رہی ہوں۔" عدینہ نے منہ بنا کر وضاحت کی تو آپا صالحہ نے شکایتی نگاہوں سے بے بے کو دیکھا جیسے کہہ رہی ہوں' آپ نے اپنی لاڈلی کے ناز و انداز دیکھے ہیں۔

"عدینہ پتر! میرے پاس آکر بیٹھو ذرا...." بے بے نے شفقت بھرے انداز سے اسے پکارا تو وہ خاموشی سے ان کے پاس آکر بیٹھ گئی۔

"میری دھی رانی کو نیند کیوں نہیں آتی؟" انہوں نے محبت سے اس کا ہاتھ پکڑ کر نرمی سے پوچھا۔

"پہلے تو پڑھائی کی ٹینشن تھی بے بے' لیکن...." وہ ہلکا سا جھجک کر بولی۔ آپا صالحہ نے کھا جانے والی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"لیکن پچھلے پندرہ دن سے تو دل میں عجیب سی بے چینی اور پریشانی ہے۔ کچھ بھی اچھا نہیں لگتا۔" عدینہ نے صاف گوئی سے کہا' کمرے میں موجود دونوں خواتین سمجھ سکتی تھیں کہ پندرہ دن پہلے ہونے والا عبداللہ کی موت کا سانحہ اس کے ذہن پر سوار تھا۔ وہ اس سے نکل نہیں پا رہی تھی۔

"موت برحق ہے بیٹا اور ہر انسان کو اپنے وقت پر جانا ہے۔ اللہ کے فیصلوں میں راضی ہونے میں ہی عافیت ہے۔" بے بے نے اسے دلاسا دیا تو عدینہ کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"تم اپنے میڈیکل کالج کب جا رہی ہو....؟" آپا صالحہ کا مزاج بے بے سے بالکل مختلف تھا' وہ عموماً بات کرتے ہوئے سامنے والے کے احساسات و جذبات کا خیال کم ہی کرتی تھیں' اس وقت بھی ان کا دو ٹوک انداز عدینہ کو آگ ہی لگا گیا۔ وہ غصے سے کھڑی ہوئی۔

"مجھے اب میڈیکل کالج نہیں جانا۔" عدینہ کا لہجہ حتمی اور انداز خاصا باغیانہ تھا۔ آپا صالحہ کے ساتھ ساتھ بے بے کو بھی شاک سا لگا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا....؟" آپا صالحہ بوکھلا سی گئیں۔

"میں فیصلہ کر چکی ہوں' مجھے اب ڈاکٹر نہیں بننا' اور میں اس سلسلے میں کسی کی بھی نہیں سنوں گی' اس لیے مجھ سے اس موضوع پر کوئی بات نہ کی جائے۔" عدینہ نے خاصے نڈر' بے باک اور ضدی لہجے میں کہا اور کمرے سے نکل گئی۔ آپا صالحہ کو لگا جیسے کمرے کی چھت پر لگے سارے گاڈر ایک دم ان کے سر پر آن گرے ہوں۔ وہ مٹی' اینٹوں اور سیمنٹ کے انبار کے نیچے زمین میں دھنستی ہی چلی جا رہی ہوں....

باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ